جلد ٦ دسمبر ۱۹۶۵ء شمارہ ۱۲

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

دسمبر ۱۹۶۵ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ چھ روپے

فی پرچہ ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

ناشر: چوہدری محمد ابراہیم ۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ ۔ مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۶ ○ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ ○ شمارہ ۱۲

دسمبر ۱۹۶۵ء

بیعت کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کا طریق

امامِ وقت کی اطاعت اور اُسکی بنیادی اہمیت

سیّدنا حضرت فضلِ عمر المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہری و باطنی سے پُر کرکے اور جہد و عمل کی بے پناہ توتوں اور دنیا میں انقلاب برپا کرنے کی عدیم النظیر صلاحیتوں سے مالا مال کرکے ایک نابغۂ روزگار وجود باجود کی حیثیت سے دنیا میں بھیجا تھا۔ آپ نے اپنے ۵۲ سالہ انتہائی کامیاب اور یادگار عہدِ خلافت میں اپنے لاکھوں متبعین کی جسمانی و روحانی قیادت، جماعتی ترقی و استحکام، دینِ اسلام کے شرف اور کلام اللہ کے مرتبہ کے نہایت بلند بالشان اظہار اور زمین کے کناروں تک تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے ایک وسیع بنیاد ہمہ گیر نظام کے قیام اور اُس کے بروئے کار آنے کے خصوصی انصرام کے سلسلہ میں ایسے ایسے عظیم الشان اور محیر العقول کارنامے سرانجام دیئے کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی اور آج بھی جب کہ آپ دنیا کو عظیم الشان روحانی انقلاب سے ہمکنار کرنے اور آسمانی بشارتوں کے بموجب غلبۂ اسلام کے ضمن میں اپنا کام پورا کرلینے کے بعد اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرماکر اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جاملے ہیں اور اپنے آقا و مطاع حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھوں سے مبارکباد کا تحفہ قبول کرکے اور رضوانِ یار کا ہار پہن کر محبت و قربِ الٰہی

کی سرائے ابدی میں آسودۂ راحت ہیں دنیا آپ کے ان کارناموں پر برابر حیرت کا اظہار کر رہی ہے۔ اس خراجِ عقیدت میں بلا تخصیص و امتیاز اپنے اور پرائے سب ہی شامل ہیں۔ چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ذیل میں ہم غیر مبایعین کے انگریزی ہفت روزہ "دی لائٹ" کا وہ نوٹ درج کرتے ہیں جو اُس نے "ایک عظیم معمارِ قوم" (A GREAT NATION BUILDER.) کے زیرِ عنوان آپ کے وصال پر نذرانۂ عقیدت کے طور پر شائع کیا ہے یہ نوٹ اگرچہ مختصر ہے لیکن ما قلّ و دلّ کی مثل اس پر صادق آتی ہے کیونکہ اختصار کے باوجود اس میں آپ کی رفیع عظیم الشان صلاحیتوں، محیر العقول کارناموں اور آپ کے ذریعہ رونما ہونے والے انقلاب پر احسن پیرائے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اخبار مذکور رقم طراز ہے:۔

"The death of Mirza Bashiruddin Mahmud Ahmad, Head of the Ahmadiyya Movement, (Rabwah) rang the curtain down on a most eventful career, packed with a multitude of far-reaching enterprises. A man of versatile genius and dynamic personality, there was hardly any sphere of contemporary thought and life during the past half century, from religious scholarship to missionary organisation, even political leadership on which the deceased did not leave a deep imprint. A whole network of Islamic missions and mosques scattered over the whole world, the deep penetration of Islamic preaching in Africa transplanting the long-entrenched Christian missions are a standing monument to the deceased's imaginative planning, organisational capacity and unflagging drive. There has hardly been a leader of men in recent times who commanded such deep devotion from followers, not only when alive, but after death, when 60,000 people rushed from all parts of the country to pay their last homage to their departed leader. In the story of the Ahmaiyya Movement the Mirza Sahib's name will go down as a great Nation Builder, who built up a well knit community in the face of heavy odds, making it a force to be counted with. We offer the bereaved family our deep condolences in this great loss."

(The Light, 16.11.1965)

ترجمہ:

"امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی وفات انتہائی طور پر پُر از واقعات ایک ایسی زندگی کے اختتام پر منتج ہوئی ہے جو دور رس نتائج کے حامل بے شمار عظیم الشان کارناموں اور مہمات سے لبریز تھی۔

آپ علوم و فنون پر حاوی ایک نابغۂ روزگار وجود اور بے پناہ قوتِ عمل سے مالا مال شخصیت تھے۔ گزشتہ نصف صدی کے دوران دینی علم و فضل سے لے کر تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے نظام تک اور مزید برآں سیاسی قیادت تک فکر و عمل کا مشکل ہی کوئی ایسا شعبہ ہوگا جس پر مرحوم نے (اپنے منفردانہ اثر کا) گہرا نقش نہ چھوڑا ہو۔ دنیا بھر میں پھیلا ہوا اسلامی مشنوں کا ایک جال، اطراف و جوانبِ عالم میں تعمیر ہونے والی مساجد اور عرصۂ دراز سے قائم شدہ عیسائی مشنوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والی تبلیغِ اسلام کا افریقہ میں وسیع و عمیق نفوذ ——— یہ وہ کارہائے نمایاں ہیں جو مرحوم کی تخلیقی منصوبہ بندی، تنظیمی صلاحیت اور انتھک جد و جہد کے حق میں ایک مستقل اور پائیدار یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حالیہ زمانہ میں مشکل ہی انسانوں کا کوئی اور ایسا لیڈر رہا ہوگا جو اپنے متبعین کی اتنی پُرجوش محبت اور جاں نثاری کا مستحق ثابت ہوا ہو۔ پھر آپ کے متبعین کی طرف سے پُرجوش محبت اور جاں نثاری کا اظہار صرف آپ کی حیات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اس کے بعد بھی اس کا اظہار اسی شدت سے ہوا جب کہ ملک کے تمام حصوں سے ۶۰ ہزار لوگ اپنے جدا ہونے والے امام کو آخری نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لئے دیوانہ وار دوڑے چلے آئے۔ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں مرزا صاحب کا نام ایک ایسے عظیم معمارِ قوم کے طور پر زندہ رہے گا جس نے شدید مشکلات کے علی الرغم ایک متحد و مربوط جماعت قائم کر دکھائی اور اسے ایک ایسی قوت بنا ڈالا کہ جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اس عظیم نقصان پر آپ کے سوگوار خاندان کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتے ہیں۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان عظیم الشان کارناموں میں سے، جن پر آج جب کہ آپ عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما کر مولائے حقیقی سے جا ملے ہیں اغیار تک حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بے اختیار خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں، ایک عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جماعتِ احمدیہ میں خلافت کے نظام کو ایسا استحکام بخشا اور اسے دلوں میں ایسا راسخ کر دکھایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر ۱۹۱۴ء میں رونما ہونے والے تفرقہ کے اعادہ کا امکان ہی باقی نہ رہا۔ آیتِ استخلاف کی رو سے خلافت کا وعدہ ایمان بالخلافت اور اس کے مناسبِ حال اعمال کے ساتھ وابستہ ہے آپ نے اثر و جذب میں ڈوبے ہوئے مواعظِ حسنہ اور خداداد قوتِ قدسی کی

مدد سے افرادِ جماعت کی اس رنگ میں تربیت فرمائی اور اس بارہ میں ان کے دلوں کو اس طرح نورِ یقین سے پُر کیا کہ وہ نہ صرف خود صحیح معنوں میں مومن بالخلافت بن گئے اور پورے تعہد کے ساتھ اس کے مناسبِ حال اعمال بجا لائے بلکہ اپنی اولادوں کو بھی اسی رنگ میں رنگین کرتے چلے گئے چنانچہ آپ کے اس عظیم الشان کارنامہ ہی کا یہ ثمرہ ہے کہ آپ کے ۵۲ سالہ انتہائی کامیاب دورِ خلافت کے اختتام پر جماعت خاص خدائی تصرف کے ماتحت کسی قسم کا اختلاف ظاہر کئے بغیر فی الفور پھر ایک ہاتھ پر جمع ہو گئی۔ خدا تعالیٰ کے منشاء اور اسکی تقدیرِ خاص کے مطابق حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے خلیفۃ المسیح الثالث منتخب ہونے کی دیر تھی بلا استثناء ساری جماعت نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور اس طرح دنیا پر ثابت کر دکھایا کہ وہ بفضل اللہ تعالیٰ اس بات کی اہل ہے کہ قدرتِ ثانیہ کے ظہور کا دائمی وعدہ اس کے حق میں پورا ہوتا چلا جائے۔

مزید برآں اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ۵۲ سال قبل کی یہ مہتم بالشان پیشگوئی بڑی شان اور آب و تاب کے ساتھ پوری ہوئی کہ جماعت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۱۹۱۴ء میں رونما ہونے والا تفرقہ آئندہ کبھی سر نہ اٹھائے گا۔ اور جماعت اس قسم کے تفرقہ سے بکلی محفوظ رہتے ہوئے ہر نئے دور میں نعمتِ خلافت سے سرفراز ہوتی چلی جائے گی۔ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۹۱۴ء میں مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد جماعت میں اُس وقت رونما ہونے والے تفرقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بشارت کے رنگ میں فرمایا تھا:۔

"اِس وقت دشمن خوش ہے کہ احمدیوں میں تفرقہ پڑ گیا ہے اور یہ جلد تباہ ہو جائیں گے اِس وقت ہمارے ساتھ زلزلوا زلزالا شدیدا والا معاملہ ہے (لیکن) یہ ایک آخری ابتلاء ہے۔ جیسے کہ احزاب کے موقع کے بعد پھر دشمن میں جرأت نہ تھی کہ مسلمانوں پر حملہ کرے۔ ایسے ہی ہم پر یہ آخری موقعہ اور دشمن کا آخری حملہ ہے۔ خدا تعالیٰ چاہے ہم کامیاب ہوں تو پھر دشمن ہم پر حملہ نہ کرے گا بلکہ ہم دشمن پر حملہ کریں گے ...... یہ آخری ابتلاء ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ دشمن کو پھر کبھی خوشی کا موقع نہ ملے گا"

(خطبہ جمعہ ۲۰ مارچ ۱۹۱۴ء مطبوعہ الفضل ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء)

الحمد للہ ثم الحمد للہ اس پیشگوئی کے قریباً ۵۲ سال بعد خلافتِ ثالثہ کے قیام کے وقت جیسا کہ ہم میں سے ہر ایک اس کا عینی شاہد اور گواہ ہے ایسا ہی ظہور میں آیا۔ جماعت کسی

بھی اختلاف کے بغیر یک دم پھر ایک ہاتھ پر جمع ہو گئی۔ اس میں شک نہیں خدائی تقدیر اور اس کے اٹل قانون کے تحت ہمیں ایک صدمہ اور بہت بڑے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا لیکن خدائے بزرگ و برتر نے ہمارے لئے اس کے ساتھ ہی بیک وقت دو خوشیاں بھی جمع کر دیں ایک خلافت ثالثہ کے قیام کی اور دوسرے ۵۲ سال قبل کی پیشگوئی کے پورا ہونے کی۔ اس پیشگوئی کا پورا ہونا ایک عظیم الشان نشان ہے جس کا مہتم بالشان ظہور ہمارے لئے ازدیاد ایمان و یقین کا موجب ہوا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور اس کا عظیم الشان احسان ہے کہ اُس نے ہمیں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر بلا توقف پھر ایک ہاتھ پر جمع کر کے ہمارے وجودوں میں آج سے ۵۲ سال قبل کی پیشگوئی کو پورا کر دکھایا۔ ہمارے لئے ازبس ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس غیر معمولی فضل اور عظیم الشان احسان پر اس کا شکر بجا لائیں اور اصلی اور حقیقی شکر کہ جس کی رو سے ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کے شکر گزار بندے اور لئن شکرتم لازیدنکم کے مصداق قرار پا سکیں۔

حقیقی شکر کے لئے ضروری ہے کہ ہم بیک وقت اپنے دل، اپنی زبان، اور اپنے عمل تینوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں۔ **دل سے شکر** بجا لانے کا طریق یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس غیر معمولی فضل اور عظیم الشان احسان کا دل میں احساس پیدا کریں اور سچے دل سے صحیح معنوں میں مومن بالخلافت بنے رہیں تا ہمارا ایمان بالخلافت دن بدن اور نسلاً بعد نسلٍ پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جائے۔ **زبان سے شکر** بجا لانے کا طریق یہ ہے کہ ہم ایک تو بکثرت اللہ تعالیٰ کی تحمید و تمجید بیان کر کے زبان سے شکر کا اظہار کریں دوسرے ہم نسلاً بعد نسلٍ اپنے اُس عہد کو پختہ عزم کے ساتھ دہراتے چلے جائیں جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۹۵۷ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر ساری جماعت سے لیا تھا اور وہ عہد یہ ہے:-

> "ہم نظام خلافت کی حفاظت اور اس کے استحکام کے لئے آخر دم تک جدوجہد کرتے رہیں گے اور اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے اور اس کی برکات سے مستفیض ہونے کی تلقین کرتے رہیں گے تاکہ قیامت تک خلافتِ احمدیہ محفوظ چلی جائے اور قیامت تک سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوتی رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دنیا کے تمام جھنڈوں سے اونچا لہرانے لگے۔"

(الفضل ۱۶ فروری ۱۹۶۰ء)

اور اپنے **عمل سے شکر** بجالانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کے اِس غیر معمولی فضل اور عظیم الشان احسان کی قدر ظاہر کریں۔ یعنی ایسے اعمال بجالائیں جو اس امر کے آئینہ دار ہوں کہ فی الواقعہ ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے اس غیر معمولی فضل اور عظیم الشان احسان کی قدر ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم عہدِ بیعت کے مالہٗ وماعلیہ پر غور کرکے اس کے عملی تقاضوں کو کمال تعہد اور عزم و ہمت کے ساتھ پورا کریں۔

بیعت کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کے ضمن میں سب سے اوّل بیعت کی غرض و غایت کو سمجھنا ضروری ہے، سو بیعت کا مقصد صرف یہ نہیں کہ خلیفۂ وقت کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چند الفاظ دہرا لئے جائیں اور دل اس سے غافل اور روگرداں ہی رہے۔ ضروری ہے کہ ایک مبائع اس راہ میں جان، مال، اور آبرو ہر چیز کو بیچ ڈالے اور ایک انقلاب اپنی ہستی پر وارد کرکے پاک دل اور پاک ارادہ کے ساتھ ہر قسم کی پلیدی کا جامہ اتار پھینکے اور دین کو دنیا پر مقدم کرکے اس کی خاطر ہر قربانی بجالانے کیلئے ہر دم تیار رہے اور خدا کے مقرر کردہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اُس سے محبت و الفت اور دلی وابستگی کا تعلق استوار کرکے اور اس کی پاک صحبت میں حاضر رہ کر معارفِ حقہ، اور برکاتِ کاملہ حاصل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ سے صاف تعلق پیدا ہو اور حقیقی نجات میسّر آئے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام بیعت کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

۱۔ ”بیعت سے مراد وہ بیعت نہیں جو صرف زبان سے ہوتی ہے اور دل اس سے غافل بلکہ روگرداں ہے۔ بیعت کے معنے بیچ دینے کے ہیں پس جو شخص درحقیقت اپنی جان اور مال اور آبرو کو اس راہ میں بیچتا نہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ خدا کے نزدیک بیعت میں داخل نہیں۔“

(براھین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۶)

۲۔ ”بیعت کا لفظ بیع سے مشتق ہے اور بیع اس باہمی رضامندی کے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں ایک چیز دوسری چیز کے عوض میں دی جاتی ہے سو بیعت سے یہ غرض ہے کہ بیعت کرنے والا اپنے نفس کو مع اس کے تمام لوازم کے ایک رہبر کے ہاتھ میں اس غرض سے بیچے کہ تا اس کے عوض میں وہ معارفِ حقہ اور برکاتِ کاملہ حاصل کرے جو موجب معرفت اور نجات اور رضامندیٔ باری تعالیٰ ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بیعت سے صرف توبہ منظور نہیں کیونکہ ایسی توبہ تو انسان بطور خود بھی کرسکتا ہے بلکہ وہ معارف اور برکات اور نشان مقصود ہیں جو حقیقی توبہ کی طرف کھینچتے ہیں۔ بیعت سے اصل مدعا یہ ہے کہ اپنے نفس کو اپنے رہبر کی غلامی میں دے کر وہ علوم اور معارف اور برکات اس کے عوض میں لے جن سے ایمان قوی ہو اور معرفت بڑھے اور خدا سے صاف تعلق پیدا ہو اور اِس طرح دنیوی جہنم سے رہا ہو کر آخرت کے دوزخ سے مخلصی نصیب ہو اور دنیوی نابینائی

سے شفا پاکر آخرت کی نابینائی سے بھی امن حاصل ہو۔ سو اگر اس بیعت کے ثمرہ دینے کا کوئی مرد ہو تو سخت بدذاتی ہو گی کہ کوئی شخص دانستہ اس سے اعراض کرے"۔ (ضرورۃ الامام ص۲۷)

حضور علیہ السّلام ایسے لوگوں کو جو بیعت کرنے کے بعد بیعت کے عملی تقاضوں سے غافل اور روگردان رہتے اور نعمتِ خلافت کا عملاً شکر نہیں بجا لاتے لرزا دینے والے اور دلوں پر کپکپی طاری کر دینے والے الفاظ میں خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

۳۔ "جو شخص میری اس نصیحت کو نہیں مانتا کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم کر لے اور درحقیقت ایک پاک انقلاب اس کی ہستی پر آجائے اور درحقیقت وہ پاک دل اور پاک ارادہ ہو جائے اور پلیدی اور حرام کاری کا تمام چولہ اپنے بدن پر سے پھینک دے اور نوعِ انسان کا ہمدرد اور خدا کا سچا تابعدار ہو جائے اور اپنی تمام خودروی کو الوداع کہہ کر میرے پیچھے ہو لے میں اس شخص کو اس کتّا سے مشابہت دیتا ہوں جو ایسی جگہ سے الگ نہیں ہوتا جہاں مردار پھینکا جاتا ہے اور جہاں سڑے گلے مُردوں کی لاشیں ہوتی ہیں"۔

(تذکرۃ الشہادتین ص۲۶)

بیعت کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا اگرچہ مشکل نظر آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا ایک طریق بتایا ہے اور اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء نے اس طریق پر بہت زور دیا ہے۔ اس طریق کو اختیار کرنے سے بیعت کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا چنداں مشکل نہیں رہتا۔ اور وہ ہے اطاعت۔ اگر انسان اپنے اوپر اُس امامِ وقت کی جس کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی ہے اطاعت لازم کر لے اور بلا چون و چرا اُس کا ہر حکم بجا لاتا چلا جائے تو پھر اس کو ایسے اعمال بجا لانے کی توفیق ملتی چلی جاتی ہے کہ جن سے بیعت کے عملی تقاضے خود بخود پورے ہو کر اسے حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ بنا دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اطاعتِ امام کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

۱۔ "یہ سچی بات ہے کہ کوئی قوم، قوم نہیں کہلا سکتی اور ان میں ملّت اور یگانگت کی روح نہیں پھونکی جا سکتی جب تک کہ وہ فرمانبرداری کے اصول کو اختیار نہ کرے۔ اور اگر اختلاف رائے اور پھوٹ رہی تو پھر سمجھ لو کہ یہ ادبار اور تنزل کے نشانات ہیں ..... اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ اس میں یہی تو سِر ہے کہ اللہ تعالیٰ توحید کو پسند فرماتا ہے اور یہ وحدت قائم نہیں ہو سکتی جب تک اطاعت نہ کی جائے"۔

(الحکم نمبرہ سنہ ۱۹۰۱ء)

۲۔ "کوئی قوم اور کوئی جماعت تیار نہیں ہو سکتی جب تک اُس میں اپنے امام کی اطاعت اور اتباع

کے واسطے خاص قسم کا جوش اور اخلاص اور وفا کا مادہ نہ ہو" (الحکم ۳۱ جولائی ۱۹۰۶ء)

۳۔ "میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا مونہہ نہ دیکھیں گے۔ پس نیک نیتی کے ساتھ اور پوری اطاعت اور فرمانبرداری کے رنگ میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودہ پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ کہ بہتری اسی میں ہے" (الحکم ۱۲ مئی ۱۸۹۹ء)

پس اطاعت ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا خُلق ہے جو ہر قسم کے خطرات کو دُور کر کے انسان کو صحیح معنوں میں محفوظ و مامون بنا دیتا ہے۔ وحدتِ جمہوری قائم ہوتی ہے تو اسی اطاعت کے نتیجہ میں۔ بیعت کے عملی تقاضوں کو پورا کر کے حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننے کی توفیق ملتی ہے تو اسی اطاعت کے نتیجہ میں۔ الغرض امام وقت کی اطاعت وہ اکسیر ہے جس سے تمام روحانی بیماریوں سے انسان شفا پا سکتا ہے۔ یہ وہ پارس ہے جو مٹی کو سونا اور سونے کو کندن بنا سکتا ہے۔ ہمارے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خلافتِ ثالثہ کے قیام کے ذریعہ غیر معمولی فضل اور عظیم الشان احسان سے نوازا ہے اور ہمیں انتشار سے بچا کر ایک آسمانی ہاتھ پر پھر متحد کر دکھایا ہے۔ ازبس ضروری ہے کہ ہم ہر چھوٹے سے چھوٹے امر میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی پوری اطاعت اور کامل فرمانبرداری کو اپنا مستقل شعار بنا کر بیعت کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے والے بنیں تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کے حقیقی شکر گزار بندوں میں شمار ہو سکیں۔ اس کے بغیر نہ ہم معرفتِ حقہ اور برکاتِ کاملہ سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں اور نہ خدا تعالیٰ سے صاف تعلق پیدا کر کے نجات کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے مقرر کردہ امام ہمام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی پوری پوری اطاعت اور کامل فرمانبرداری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم بیعت کے جملہ عملی تقاضوں کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے ہوں اور نافرمانی کی راہ اختیار کر کے اس کی ناراضگی مول لینے والے نہ ہوں۔ ہمارا قدم صدق اطاعت میں بڑھتا ہی چلا جائے اور ہم آپ کی ہر آواز پر لبیک کہتے ہوئے غلبہ اسلام کی منزل کی طرف آپ کی آسمانی قیادت میں برق رفتاری کے ساتھ بڑھتے چلے جائیں۔ اور منزلِ مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیں۔

آمین یا ارحم الراحمین

:- کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام :-

ایک خدائی بشارت جو ہر سال بڑی آب و تاب سے پوری ہوتی ہے

لوگ دُور دُور سے اس کثرت سے آئیں گے کہ راستے عمیق ہو جائیں گے

یہ اتنا زبردست نشان ہے کہ کوئی اس کے پیہم اور مسلسل ظہور کو روک نہیں سکتا

چند ہی روز میں ہمارا بابرکت و مقدس للّٰہی جلسہ سالانہ شروع ہونے والا ہے۔ اس کی عظمت و اہمیت کے پیش نظر سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احباب جماعت کے لئے اس میں شمولیت کو لازمی قرار دیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ تکلیف اُٹھا کر بھی آنا پڑے تو آنا چاہیئے اور اخراجات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص بھی اس للّٰہی جلسہ سالانہ میں شمولیت کی خاطر سفر اختیار کرتا ہے وہ ایک عظیم الشان خدائی بشارت کے پورا ہونے میں حصّہ دار بنتا ہے۔ وہ بشارت یہی ہے کہ لوگ دُور دُور سے اس کثرت سے آئیں گے کہ ان کی آمد و رفت کے باعث راستے عمیق ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضور علیہ السّلام نے جلسۂ سالانہ ۱۹۰۵ء کے موقع پر اس خدائی بشارت اور اس کے سال بہ سال پورا ہونے کو زبردست نشان قرار دیا۔ حضورؑ نے فرمایا:-

"اللہ تعالےٰ اس جماعت کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اپنی عملی حالت اور قوتِ ایمانی کو درست کر کے دکھادیں کیونکہ جب تک عملی رنگ میں ایمان ثابت نہ ہو صرف زبان سے ایمان اللہ تعالےٰ کے نزدیک منظور نہیں۔ ایسا ایمان کچھ نہیں۔ زبان میں تو ایک مخلص اور منافق یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ ہر ایک شخص جو اپنا صدق اور ثباتِ قدم ثابت کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ عملی طور پر ظاہر کرے۔ جب تک عملی طور پر قدم آگے نہیں رکھتا آسمان پر اس کو مومن نہیں کہا جاتا۔

بعض شخصوں کے دل میں خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آئے دن ہم پر ٹیکس لگائے جاتے ہیں کہاں تک برداشت کریں۔ میں جانتا ہوں کہ ہر شخص ایسا دل نہیں رکھتا کیونکہ ایک طبیعت کے ہی سب نہیں ہوتے۔ بہت سے تنگ دل اور کم ظرف ہوتے ہیں اور اس قسم کی باتیں کر بیٹھتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو اُن کی کیا پرواہ ہے۔ ایسے شبہات دنیاداری کے رنگ میں پیدا ہوا کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو توفیق بھی نہیں ملتی۔ لیکن جو لوگ محض خدا تعالیٰ کے لئے قدم اٹھاتے ہیں اور اس کی مرضی کو ہی مقدم کرتے ہیں اور اس بناء پر جو کچھ بھی خدمتِ دین کرتے ہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ خود انہیں توفیق دے دیتا ہے اور اعلائے کلمۂ اسلام کے لئے جن اموال کو وہ خرچ کرتے ہیں ان میں برکت رکھ دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اور جو لوگ صدق اور اخلاص سے قدم اٹھاتے ہیں انھوں نے دیکھا ہوگا کہ کس طرح پر اندر ہی اندر انہیں توفیق دی جاتی ہے۔

وہ شخص بڑا نادان ہے جو خیال کرتا ہے کہ آئے دن ہم پر بوجھ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی خدا تعالیٰ کے پاس آسمان و زمین کے خزانے ہیں۔ منافق اس کو سمجھ نہیں سکتے لیکن مومن اس پر ایمان لاتا اور یقین کرتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر سب لوگ جو اس وقت موجود ہیں اور اس سلسلہ میں داخل ہیں یہ سمجھ کر کہ آئے دن ہم پر بوجھ پڑتا ہے وہ دست بردار ہو جائیں اور بخل سے یہ کہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے تو خدا تعالیٰ ایک ایسی قوم پیدا کر دے گا جو ان سب اخراجات کا بوجھ خوشی سے اٹھائے اور پھر بھی سلسلہ کا احسان مانے۔

اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اس سلسلہ کو بڑھائے۔ پس کون ہے جو اُسے روک لے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ بادشاہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ پھر وہ جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے کب تھک سکتا ہے۔ آج سے ۲۶ برس بلکہ اس سے بھی بہت پہلے خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ایسے وقت میں کہ ایک شخص بھی میرے پاس نہ تھا اور کبھی سال بھر میں بھی کوئی خط نہ آتا تھا۔ اُس گمنامی کی حالت میں میں نے جو دعوے کئے ہیں وہ براہین احمدیہ میں چھپے ہوئے موجود ہیں اور یہ کتاب مخالفوں منافقوں کے پاس موجود ہے بلکہ ہندوؤں عیسائیوں تک کے پاس بھی ہے۔ مکّہ مدینہ اور قسطنطنیہ تک بھی پہنچی۔ اسے کھول کر دیکھو اُس وقت خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

یأتون من کلّ فجٍ عمیق و یأتیک من کلّ فجٍ عمیق

یعنی تیرے پاس دُور دراز جگہوں سے لوگ آئیں گے اور جن راستوں سے آئیں گے وہ راہ عمیق ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا یہ لوگ جو کثرت سے آئیں گے تو اُن سے تھکنا نہیں اور ان سے کسی قسم کی بداخلاقی نہ کرنا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب لوگوں کی کثرت ہوتی ہے تو انسان ان کی ملاقات سے گھبرا

جاتا ہے اور کبھی بے توجہی کرتا ہے جو ایک قسم کی بداخلاقی ہے۔ پس اس سے منع کیا اور کہا کہ اس سے تھکنا نہیں، اور مہمان نوازی کے لوازم بجالانا۔ ایسی حالت میں یہ خبر دی گئی تھی کہ کوئی بھی نہ آتا تھا اور اب تم سب دیکھ لو کہ کس قدر موجود ہو۔ یہ کتنا بڑا نشان ہے! اس سے اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایسی خبر بغیر عالم الغیب خدا کے کون دے سکتا ہے، نہ کوئی منجم نہ کوئی فراست والا کہہ سکتا ہے۔

اِن حالات پر جب ایک سعید مومن غور کرتا ہے تو اسے لذت آتی ہے۔ وہ یقین کرتا ہے کہ ایک خدا ہے جو اعجازی خبریں دیتا ہے۔ غرض اس خبر میں اُس نے کثرت کے ساتھ مہمانوں کی آمد ورفت کی خبر دی۔ پھر چونکہ ان کے کھانے پینے کے لئے کافی سامان چاہیئے تھا اور ان کے فروکش ہونے کے لئے مکانوں کا انتظام ہونا چاہیئے تھا پس اس کے لئے بھی ساتھ ہی خبر دی یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔

اب غور کرو کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ نے خود کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور ارادہ کر لیا ہے کون ہے جو اس کی راہ میں روک ہو۔ وہ خود ساری ضرورتوں کا تکفل اور تہیہ کرتا ہے۔ یہ بات انسانی طاقت سے باہر ہے کہ اس قدر عرصہ پہلے ایک واقعہ کی خبر دے کہ جس میں ایک بچہ پیدا ہو کر صاحبِ اولاد ہو سکتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا عظیم الشان معجزہ ہے۔ یہی وجہ ہے جو خدا تعالیٰ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ صادق کی نشانی پیشگوئی ہے۔ یہ بہت بڑا نشان ہے جس پر غور کرنا چاہیئے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان تدبّر اور غور سے بڑھتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نشانوں پر غور نہیں کرتے ان کا قدم پھسلنے والی جگہ پر ہوتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ انسان اپنے ایمان میں اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک خدا تعالیٰ کے اقوال، افعال اور قدرتوں کو نہ دیکھے۔

پس یہ سلسلہ اسی غرض کے لئے قائم ہوا ہے تا اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑھے یہ نشان جو میں نے ابھی پیش کیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ایسا زبردست ہے کہ کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ برخلاف اس کے کسی دوسرے مذہب والے کو یہ حوصلہ اور ہمت کہاں ہے کہ وہ ایسے تازہ بتازہ نشان پیش کرے۔ جماعت کے لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ کس قدر نشانات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا کاروبار ہے کسی اَور کو اس میں دخل نہیں

یقیناً سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ان پیشگوئیوں کے ساتھ دکھاتا ہے کہ ایمانی قوت بڑھ جاوے اور قوت بغیر ایسے نشانوں کے بڑھ نہیں سکتی کیونکہ ان میں خدا تعالیٰ کا زبردست ہاتھ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ انسان ایسا جاندار ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے زبینۂ ایمانی کے لئے فیوض وبرکات نہ ہوں وہ خود بخود پاک صاف نہیں ہو سکتا۔ اور حقیقت میں پاک صاف ہونا اور تقویٰ پر قدم مارنا آسان امر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل اور

تائید سے یہ نعمت ملتی ہے اور سچا تقویٰ جس سے خدا تعالیٰ راضی ہو اُس کے حاصل کرنے کے لئے بار بار اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یاایہا الّذین آمنوا اتّقوا اللّٰہ اور پھر یہ بھی کہا انّ اللّٰہ مع الّذین اتّقوا والّذین ھم محسنون یعنی اللہ تعالیٰ ان کی حمایت اور نصرت میں ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ تقویٰ کہتے ہیں بدی سے پرہیز کرنے کو اور محسنون وہ ہوتے ہیں جو اتنا ہی نہیں کہ بدی سے پرہیز کریں بلکہ نیکی بھی کریں اور پھر یہ بھی فرمایا للّذین احسنوا الحسنیٰ یعنی ان نیکیوں کو بھی سنوار سنوار کر کرتے ہیں مجھے یہ وحی بار بار ہوئی انّ اللّٰہ مع الّذین اتّقوا والّذین ھم محسنون اور اتنی مرتبہ (یہ وحی) ہوئی ہے کہ میں گن نہیں سکتا خدا جانے دو ہزار مرتبہ ہوئی ہو۔ اِس سے غرض یہی ہے کہ تا جماعت کو معلوم ہو جاوے کہ صرف اِس بات پر ہی فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم اس جماعت میں شامل ہو گئے ہیں یا صرف خشک خیالی ایمان سے راضی ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت اُسی وقت ملے گی جب سچا تقویٰ ہو اور پھر نیکی ساتھ ہو۔"

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۲ مورخہ ۲۴ر جون ۱۹۰۶ء)

ادنیٰ ادنیٰ حرجوں کی پرواہ نہ کرو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدرِ ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ حرجوں کی پرواہ نہ کریں خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اسکی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی۔ اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں طیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔"

(اشتہار ۷ر دسمبر ۱۸۹۲ء)

عربی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

كَالْعَاشِقِ الْمَشْغُوْفِ فِي الْمَيْدَانِ

(صحابہؓ لڑائیوں میں یوں ڈٹ گئے جیسے کوئی عاشق شیدا ہوتا ہے)

وَقَدِ اقْتَفَاكَ أُولُوا النُّهٰى وَبِصِدْقِهِمْ　　　وَدَعُوْا تَذَكُّرَ مَعْهَدِ الْأَوْطَانِ

دانش مندوں نے تیری پیروی کی اور اپنے صدق سے　　　مالوف وطنوں کی یاد بھی چھوڑ دی

قَدْ اٰثَرُوْكَ وَفَارَقُوْا أَحْبَابَهُمْ　　　وَتَبَاعَدُوْا مِنْ حَلْقَةِ الْإِخْوَانِ

تجھے مقدم کیا اور اپنے دوستوں کو چھوڑ دیا　　　اور بھائیوں کے حلقہ سے دور ہو گئے

قَدْ وَدَّعُوْا أَهْوَاءَهُمْ وَنُفُوْسَهُمْ　　　وَتَبَرَّؤُا مِنْ كُلِّ نَشَبٍ فَانِ

اپنی خواہشوں اور نفسوں کو چھوڑ دیا　　　اور ہر قسم کے فانی مالوں سے بیزار ہو گئے

قَدْ هَاضَهُمْ ظُلْمُ الْأُنَاسِ وَضَيْمُهُمْ　　　فَتَثَبَّتُوْا بِعِنَايَةِ الْمَنَّانِ

لوگوں کے ظلم و ستم نے ان کو چور چور کر دیا　　　مگر خدائے منّان کی مہربانی سے وہ ثابت قدم رہے

كَسَحُوْا بُيُوْتَ نُفُوْسِهِمْ وَتَبَادَرُوْا　　　لِتَمَتُّعِ الْإِيْقَانِ وَالْإِيْمَانِ

انہوں نے اپنے نفسوں کے گھروں کو خوب صاف کیا　　　اور یقین اور ایمان کی دولت لینے کو آگے بڑھے

قَامُوْا بِأَقْدَامِ الرَّسُوْلِ بِغَزْوِهِمْ　　　كَالْعَاشِقِ الْمَشْغُوْفِ فِي الْمَيْدَانِ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حملہ آوری کے ساتھ میدان میں　　　لڑائیوں پر یوں ڈٹ گئے جیسے کوئی عاشق شیدا ہوتا ہے

فَدَمُ الرِّجَالِ لِصِدْقِهِمْ فِيْ حُبِّهِمْ　　　تَحْتَ السُّيُوْفِ أُرِيْقَ كَالْقُرْبَانِ

سو اُن پہلوانوں کا خون محبت کی راہ میں ثابت قدمی کی وجہ سے تلواروں کے نیچے قربانیوں کی طرح بہایا گیا

(آئینہ کمالات اسلام)

فارسی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

لُطفِ او ترکِ طالباں نکند

(خدا کا لطف ہمیشہ اپنے طالبوں کے شامل حال رہتا ہے)

ہر کہ باذاتِ او سرے دارد — پشت بر روئے دیگرے دارد

جو شخص خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے — وہ اوروں کی طرف سے پیٹھ پھیر لیتا ہے

ہر کہ گیرد درش بصدق و حضور — از در و بامِ او ببارد نور

جو شخص اس کے دروازے کو صدق اور اخلاص سے اختیار کرتا ہے اس کے دروازہ اور چھت سے نور برسنے لگتا ہے

نورِ تاباں چو مہ ز پیشانی! — پُر ہمہ رُو ز عشقِ ربّانی

اس کی پیشانی سے چاند کی طرح نور چمکتا ہے۔ اور عشق الٰہی سے سارا چہرہ روشن ہو جاتا ہے

عشقِ آں یار مُدّعا گشتہ — دل ز غیرِ خدا جُدا گشتہ

اس دوست کا عشق اس کا مدّعا بن گیا ہے — اور غیر اللہ سے اس کا دل جدا ہو گیا ہے

لُطفِ او ترکِ طالباں نکند — کس بکارِ رہش زیاں نکند

خدا کا لطف ہمیشہ اپنے طالبوں کے شامل حال رہتا ہے اس کی راہ میں کوئی نقصان نہیں اٹھاتا

ہر کہ آں در گرفت کارش شد — صد امیدے بروزگارش شد

جس نے وہ دروازہ اختیار کر لیا اس کا کام بن گیا اور اس کے کاروبار کی کامیابی پر سینکڑوں امیدیں بندھ گئیں

مثلِ آں دلستاں کجا دیدی — پس چرا ہجرِ او پسندیدی

تو نے اس معشوق کی طرح کا کوئی اور معشوق کہاں دیکھا ہے پھر کیوں اس کی جدائی کو پسند کر لیا۔

(نزول المسیح)

روزہ کی اسلامی عبادت اور اس کے فوائد

(رقم فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیش بہا تصانیف میں روزہ کی فلاسفی اور اس کے جسمانی و روحانی فوائد پر بھی بہت ہی سیر حاصل اور روح پرور انداز میں روشنی ڈالی ہے رمضان کا بابرکت مہینہ عنقریب شروع ہونے والا ہے لہٰذا افادہ احباب کی غرض سے ذیل میں حضورؓ کی تصانیف میں سے رمضان کے روزوں کی اہمیت اور ان کی عظیم الشان برکات پر مشتمل بعض بیش قیمت اقتباس ذیل میں ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں:-

عبادتِ الٰہی کے چار اصول

"قرآن عبادت الٰہی کے متعلق بھی تفصیلی روشنی ڈالتا ہے۔ وہ عبادت کو چار اصولی حصوں میں تقسیم کرتا ہے (۱) وہ عبادت جس کی غرض خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت اور اُس کے ساتھ تعلق بڑھانا ہے (۲) وہ عبادت جو انسان کے جسم کی اصلاح کے لئے قربانیاں کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ (۳) وہ عبادت جو انسانوں کے اندر مرکزیت کی طرح پیدا کرنے کے لئے اور اتحاد و یگانگت کا احساس پیدا کرنے کے لئے مقرر کی جاتی ہے (۴) وہ عبادت جو بنی نوعِ انسان کی اقتصادی حالتوں میں یکسوئی اور یک رنگی پیدا کرنے کے مقرر کی جاتی ہے ——— یہ چار اصول عبادت کے اسلام مقرر کرتا ہے اور ان چار اصول کے مطابق اس نے مختلف قسم کی عبادتیں مقرر کی ہیں۔ ان اصول کو تجویز کر کے اسلام نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ عبادت صرف اسی کا نام نہیں کہ انسان خدا تعالیٰ سے دھیان لگائے بلکہ بنی نوعِ انسان کی طرف توجہ کرنے سے بھی خدا تعالیٰ کی عبادت کا فرض ادا ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام نے یہ نکتہ بھی پیش کیا ہے کہ عبادت صرف انفرادی نہیں بلکہ وہ اجتماعی بھی ہوتی ہے۔ انسان کا صرف

یہی فرض نہیں کہ وہ خود خدا کے سامنے پیش ہو جائے بلکہ انسان کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو بھی خدا کے سامنے پیش ہونے کے لئے تیار کرے۔ اس لئے قرآن کے جتنے احکام عبادات کے متعلق ہیں وہ انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی ....

اسلامی روزہ

(نماز کے بعد) دوسری قسم کی عبادت جس میں نفس کی اصلاح مدنظر ہوتی ہے، روزہ ہے۔ اسلامی روزہ بھی دوسرے لوگوں کے روزوں سے مختلف ہے۔ ہندو اپنے روزوں میں کئی چیزیں کھا بھی لیتے ہیں پھر بھی ان کا روزہ قائم رہتا ہے۔ عیسائیوں کے روزے بھی اس قسم کے ہیں۔ کسی روزہ میں گوشت نہیں کھانا۔ کسی میں خمیری روٹی نہیں کھائی جاتی۔ اسلامی روزہ نماز کی طرح انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ چنانچہ تمام مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ وہ سال کے مختلف اوقات میں نفلی روزے رکھا کریں مگر رمضان کے مہینے میں دنیا کے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں رہتے ہوں ایک وقت میں روزے رکھنے کا حکم ہے۔ وہ صبح کو پو پھٹنے سے پہلے کھانا کھاتے ہیں اور پھر سارا دن سورج کے ڈوبنے تک نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ سورج ڈوبنے کے بعد صبح تک ان کو کھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ان دنوں میں جہاں کھانے وغیرہ سے پرہیز کریں وہاں اپنے نفس کو زیادہ سے زیادہ نیکی پر قائم کرنے کی کوشش کریں کیونکہ روزہ انہیں یہ سبق دیتا ہے کہ جب تم خدا تعالیٰ کے لئے حلال چیزوں کو چھوڑ دیتے ہو تو حرام چیزوں کو چھوڑنا تمہارے لئے بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ یہ روزے تمام ایسے ممالک میں جہاں دن چوبیس گھنٹے سے کم ہے اور جہاں رات اور دن چوبیس گھنٹے کے اندر الگ الگ وقتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اسی شکل میں ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ لیکن جن ملکوں میں رات اور دن چوبیس گھنٹوں سے لمبے ہو جاتے ہیں ان علاقوں میں رہنے والوں کے لئے صرف وقت کا اندازہ کرنے کا حکم ہے۔ (دیباچہ تفسیر القرآن)

روزہ کے فوائد

روزوں کی فضیلت اور ان کے فوائد پر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ روزے تم پر اس لئے فرض کئے گئے ہیں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم بچ جاؤ.... اس میں اشارہ اس امر کی طرف کیا گیا ہے کہ اس ذریعہ سے خدا تعالیٰ روزہ دار کا محافظ ہو جاتا ہے کیونکہ اِتِّقَا کے معنے ہیں ڈھال بنانا، وقایہ بنانا، نجات کا ذریعہ بنانا۔ پس اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تم پر روزے

رکھنے اس لئے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم خدا تعالیٰ کو اپنی ڈھال بنا لو اور ہر شر سے اور ہر خیر کے فقدان سے محفوظ رہو...... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے یہ معنے ہوئے کہ تا تم دینی و دنیوی شرور سے محفوظ رہو۔ دینی خیر و برکت تمہارے ہاتھ سے نہ جاتی رہے یا تمہاری صحت کو نقصان نہ پہنچ جائے کیونکہ بعض دفعہ روزے کئی قسم کے امراض سے نجات دلانے کا موجب ہوتے ہیں۔

آج کل کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ بڑھاپا یا ضعف آتے ہی اس وجہ سے ہیں کہ انسان کے جسم میں زائد مواد جمع ہو جاتے ہیں اور ان سے بیماری یا موت پیدا ہوتی ہے۔ بعض نادان تو اس خیال میں اس حد تک ترقی کر گئے ہیں کہ کہتے ہیں جس دن ہم زائد مواد کو فنا کرنے میں کامیاب ہو گئے اُس دن موت بھی دنیا سے اُٹھ جائے گی۔ یہ خیال گو احمقانہ ہے تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محض کان اور کمزوری وغیرہ جسم میں زائد مواد جمع ہونے سے ہی پیدا ہوتی ہے اور روزہ اس کے لئے بہت مفید ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ صحت کی حالت میں جب روزے رکھے جائیں تو دوران رمضان میں بے شک کچھ کوفت محسوس ہوتی ہے مگر رمضان کے بعد جسم میں ایک نئی قوت اور تروتازگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہ فائدہ تو صحتِ جسمانی کے لحاظ سے ہے مگر روحانی لحاظ سے اس کا یہ فائدہ ہے کہ جو لوگ روزے رکھتے ہیں خدا تعالیٰ ان کی حفاظت کا وعدہ کرتا ہے۔ اسی لئے روزوں کے ذکر کے بعد خدا تعالیٰ نے دعاؤں کی قبولیت کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں اپنے بندوں کے قریب ہوں اور ان کی دعاؤں کو سنتا ہوں۔ پس روزے خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے والی چیز ہیں جو اسے ہر قسم کے دکھوں اور شرور سے محفوظ رکھتے ہیں۔

پھر روزے کے ذریعہ دکھوں سے انسان اس طرح بھی بچتا ہے کہ (۱) جب وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے لئے تکلیف میں ڈالتا ہے تو خدا تعالیٰ اُس کے گناہوں کی سزا سے اُسے بچا لیتا ہے (۲) مزید برآں جب وہ فاقہ سے رہ کر بھوک کی تکلیف محسوس کرتا ہے تو اپنے غریب بھائیوں کی خبر گیری کرتا ہے اور ان کو ہلاکت سے بچا خود اسے بھی ہلاکت سے بچا لیتا ہے کیونکہ بعض افرادِ قوم کے بچنے سے آخر میں ساری قوم کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم رمضان کے دنوں میں بہت کثرت سے صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے۔ احادیث میں آتا ہے کہ رمضان کے دنوں میں آپؐ تیز چلنے والی آندھی کی طرح صدقہ کیا کرتے تھے۔ اور درحقیقت یہ قومی ترقی کا ایک بہت بڑا گر ہے کہ انسان اپنی چیز دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ تمام قسم کی تباہیاں اسی وقت آتی ہیں جب کسی قوم کے افراد میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ان کی چیزیں انہی کی ہیں دوسروں کا ان میں کوئی دخل نہیں اور ان سے فائدہ اٹھانے کا حق انہی کو ہے جن کو وہ چیزیں دی گئی ہیں۔ دنیا کے نظام کی بنیاد اس اصل پر ہے کہ میری چیز

دوسرا استعمال کرے اور رمضان اس کی عادت ڈالتا ہے۔ روپیہ پیارا ہے، کھانے پینے کی چیزیں پیاری ہیں مگر حکم یہ ہے کہ دوسروں کو ان سے فائدہ پہنچاؤ اور کھلاؤ کیونکہ اس سے دنیا کے تمدن کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

پھر روزوں کے ذریعہ انسان ہلاکت سے اس طرح بھی محفوظ رہتا ہے کہ روزے انسان کے اندر مشقت برداشت کرنے کا مادہ پیدا کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کے عادی ہوں وہ مشکلات کے آنے پر ہمت نہیں ہارتے بلکہ دلیری سے ان کا مقابلہ کرتے اور کامیابی حاصل کرتے ہیں .... روزے قوم میں قربانی کی عادت پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ دین کی خدمت کے لئے بالعموم مومنوں کو گھروں سے نکلنا پڑتا ہے۔ اور تبلیغی جہاد میں کھانے پینے کی تکالیف کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غرباء کو تو ایسی تکالیف برداشت کرنے کی عادت ہوتی ہے مگر امراء کو اس کی عادت نہیں ہوتی، پس روزوں کے ذریعہ ان کو بھی بھوک اور پیاس کی برداشت کی مشق کرائی جاتی ہے تاکہ جس دن خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے کہ اے مسلمانو! آؤ اور خدا کی راہ میں جہاد کرو تو وہ سب اکٹھے اٹھ کھڑے ہوں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں بغیر کسی قسم کا بوجھ محسوس کئے اپنے آپ کو پیش کر دیں۔ پس روزوں کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کو نیکی کے لئے مشقت برداشت کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے"

(تفسیر سورۃ البقرۃ)

تجلّی قلب کا ذریعہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیوں نے اس مہینہ کو تنویر قلب کے لئے عمدہ لکھا ہے۔ اس میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں۔ نماز تزکیہ نفس کرتی ہے اور روزہ سے تجلّیٔ قلب ہوتی ہے"

(الحکم ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

خلافتِ ثالثہ کا قیام اور ہماری ذمہ داریاں

از مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد۔ ایم۔ اے :-

خلافت ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کے ذریعہ سے ایک مامور من اللہ کے بعد مومنین کی جماعت پھر ایک ہاتھ پر جمع ہو جاتی ہے۔ اور اس کی وحدت و سالمیت اور تنظیم برقرار رہتی ہے اور جماعتی مساعی خدا کے فضل سے جاری رہتی ہیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال پر جماعت حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر پھر ایک بار جمع ہو گئی اور اس طرح اسکی وحدت و سالمیت برقرار رہی اور خدا کے فضل سے جماعت کے استحکام کی کوششیں جاری رہیں۔ خدائی سلسلے خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں اور وہ ہر آن ان کی حفاظت کرتا ہے۔ پھر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر جماعت کو ایک عظیم فتنہ سے دوچار ہونا پڑا مگر جماعت کی اکثریت نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے جماعت کی وحدت و سالمیت کو خدا کے فضل سے برقرار رکھا۔ اور اشاعت دین و تبلیغ اسلام کی مساعی کو تیز تر کر دیا اس طرح کہ حضور کے باون (۵۲) سالہ دورِ قیادت میں اکناف عالم میں اسلام کے تبلیغی مراکز قائم ہو گئے اور دنیا کے کناروں تک اسلام کا پیغام پہنچ گیا اور یورپ اور ایشیا کے لاکھوں انسان جو کفر و الحاد کا شکار تھے اسلام میں داخل ہو گئے اور اس کی برکات سے متمتع ہونے لگے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اسلام میں مرکزیت کو خاص اہمیت دی گئی ہے نماز میں ہمیں یہی سبق دیا گیا ہے کہ ایک اشارہ پر اٹھو اور ایک اشارہ پر بیٹھو۔ یہی سبق جماعت مومنین کی روزمرہ زندگی کا شعار ہوتا ہے وہ ہر آن مرکز کی طرف گوش بر آواز رہتے ہیں۔ جونہی مرکز سے کوئی آواز آئے فوراً اس پر کان دھرتے اور لبیک کہتے ہیں۔ مومنین کی یہی صفت ان میں یک جہتی اور ہم آہنگی قائم رکھتی ہے۔ سب کی توجہ ایک خاص نقطۂ مرکزی پر مرتکز ہوتی ہے اور ایک عظیم مقصد کی تکمیل و تحصیل میں سبھی کوشاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں

ہی برکت دیتا ہے اور ان کی تعداد کی قلت کے باوجود ان کی ناچیز کوششوں کے نتائج خدا کے فضل سے دنیا کے لئے محیر العقول ثابت ہوتے ہیں۔

الٰہی سلسلوں کی باگ ڈور خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور امیر المومنین اسی کی رہنمائی میں جماعت مومنین کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کی باتوں میں جذب واثر اور ان کے اشاروں میں ایک خاص کشش ہوتی ہے۔ جماعت جب ان کے مبارک ہاتھ پر بیعت کر کے اپنا سبھی کچھ بیچ دیتی ہے تو مومنین کی جان ومال اولاد قویٰ دل اور دماغ پھر ان کی ملکیت نہیں رہتے۔ پس مومنین اپنے امام کی ہر آواز پر لبیک کہتے ہیں اور اسی نہج پر چل پڑتے ہیں جس کی طرف امیر المومنین ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ امیر المومنین کی پسند ان کی پسند اور امیر المومنین کی ناپسندیدگی ان کی ناپسندیدگی بن جاتی ہے۔ امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کر کے پھر ایک مومن کا خود اپنی رائے پر قائم رہنا اس کی شان کے شایان نہیں ہوتا۔ انسانی عقل محدود ہے اور بسا اوقات انسان خدائی رہنمائی کے بغیر خشک منطقی دلائل سے اپنے محدود علم کی وجہ سے غلط نتائج مرتب کر کے ایک ایسی رائے قائم کر لیتا ہے جو صحیح نہیں ہوتی۔ پس محض اپنی رائے پر تکیہ کر لینا ایک مومن کی شان سے بعید ہے وہ ہر بات میں اپنے روحانی پیشوا اور امام وقت سے رہنمائی حاصل کرتا ہے اور انہی کی اطاعت اس کا شیوہ ہوتا ہے کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں :-

"اطاعت جس طرح نبی کی ضروری ہے ویسے ہی خلفاء کی ضروری ہے" (الفضل ۷ فروری ۱۹۳۰ء)

ہم خدا کے فضل سے ایک منظم جماعت کے افراد ہیں اور منظم جماعتوں پر بعض ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں وہ ہر کام اپنے امام کی رہنمائی میں کرتے ہیں اور ہر بات میں اسی سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ و اعلیٰ درجاتہ کی جدائی ہم سب پر شاق ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ ہمارے محبوب اور پیارے آقا نے ہماری خاطر اپنے اوپر آرام حرام کر کے اپنا سب کچھ ہماری بہتری اور بہبود میں صرف کر دیا تھا۔ ہم عاجز خادموں پر حضور رضؓ کے بے شمار احسانات ہیں اسی لئے ہم میں سے ہر ایک کے دل کی گہرائیوں سے حضور رضؓ کے لئے دعائیں نکل رہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ حضور رضی اللہ عنہ کے درجات بلند کرتا چلا جائے اور حضور رضؓ کو حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جگہ دے آمین۔ لیکن جس طرح حضور رضؓ کی وفات کے عظیم صدمہ میں اللہ تعالےٰ نے ہمارے زخمی دلوں پر پھاہا رکھا۔ اور ہماری تسکین کے سامان پیدا کئے انہیں دیکھ کر ہم خدا تعالےٰ کے حضور سجدہ شکر بجا لاتے ہیں جس نے محض اپنے فضل سے جماعت کو اس نازک موقع پر سنبھالا اور اس کی خود رہنمائی فرمائی اور ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ جماعت پھر سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

ومتعنا اللہ بطول حیاتہٗ کے ہاتھ پر بیعت کر کے متحد و متفق ہو گئی اور تسبیح کے دانوں کی طرح ایک بار پھر ایک لڑی میں پروئی گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجالائے اور خلافت سے وابستگی کی نعمت عظمیٰ پر اُس کا تہہ دل سے شکر ادا کرے۔ ساتھ ہی ہم میں سے ہر ایک کا یہ بھی فرض ہے کہ نہ صرف خود اس عظیم نعمت کی دل سے قدر کرے بلکہ اپنے اہل و عیال پر بھی خلافت کی عظیم برکات واضح کر کے انہیں خلافت کی عظمت و شوکت و برکت سے آگاہ کرے اور ہر امر میں اطاعت کا اعلیٰ نمونہ دکھانے کی تلقین کرے۔ جب ہم ایک امام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں تو پھر ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق

"امام کے مونہہ کی طرف دیکھتے رہنا چاہیئے کہ وہ کیا کہتا ہے" (الفضل ۵ رجون ۲۳ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں خلافت ثالثہ سے تجدید بیعت کے عہد کو نباہنے کی توفیق دے۔ ہماری غفلتوں اور سستیوں کو دور فرمائے ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے اور ہمیں صحیح معنی میں امام ہمام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی کامل اطاعت کی توفیق دے تا کہ ہم اس عظیم جرنیل کی قیادت میں اسلام کی ترقی کی منازل کی طرف تیزی سے قدم بڑھاتے چلے جائیں اور اس طرح خدا کی خوشنودی کو حاصل کرنے کے عظیم مقصد میں محض اسی کی دی ہوئی توفیق سے کامیاب ہو جائیں۔ آمین۔

نعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر غاسق اذا وقب ومن شر النفّٰثٰت فی العقد ومن شر حاسد اذا حسد۔

اطاعت کا ایک خاص جوش

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے وہ صدق و وفا کا نمونہ دکھلایا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی..... یہی صدق اور وفا تھی جس نے ان کو آخر کار بامراد کیا۔ اسیطرح میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری جماعت کو بھی اسکی قدر اور مرتبہ کے موافق اطاعت کا ایک خاص جوش بخشا ہے اور وہ وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھلاتے ہیں" (الحکم ۳۱ جولائی ۱۹۰۴ء)

تقرّب الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ

نماز تہجد اور اُس کی عظیم الشان برکات

(محترم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر سابق امیر جماعت ہائے احمدیہ گھانا)

تہجد تقرّب الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے اسی لئے قرآن مجید میں اور احادیث میں مومنوں کو تحریص اور تحریک کی گئی ہے کہ وہ پانچ نمازوں کے علاوہ جو فرض ہیں تہجد بھی ادا کیا کریں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے احیاء اسلام کے لئے مبعوث فرمایا تھا تہجد پر بہت زور دیا ہے۔ اور اس کی اہمیت واضح کر کے احباب کو تقرب الی اللہ کے اس نہایت ہی اہم ذریعہ کو اختیار کرنے اور اس کی عظیم الشان برکات سے مستفیض ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ میں ذیل میں تہجد کی اہمیت اور اس کی برکات سے متعلق قرآن مجید کی آیات، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات ترتیب وار پیش کرتا ہوں،

نماز تہجد اور قرآن مجید

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ

ترجمہ:۔ تو سورج کے ڈھلنے (کے وقت) سے لے کر رات کے خوب تاریک ہو جانے (کے وقت) تک (کی مختلف گھڑیوں) میں نماز کو عمدگی سے ادا کیا کر اور صبح کے وقت (قرآن) کے پڑھنے کو بھی (لازم سمجھ) صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا یقیناً (اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک) مقبول عمل ہے اور رات

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝
(بنی اسرائیل ع ۹، ۸۰)

کو بھی تو اس (یعنی قرآن) کے ذریعہ سے کچھ سو لینے کے بعد شب بیداری کیا کر جو تجھ پر ایک زائد انعام ہے (اس طرح پر) بالکل ممکن ہے کہ تیرا رب تجھے حمد والے مقام پر کھڑا کر دے۔

مذکورہ بالا دونوں آیات میں پانچوں نمازوں کے اوقات اور نماز تہجد کا ذکر کیا گیا ہے۔ دُلوک کے تین معنی ہیں اور ہر ایک معنی کی رو سے ایک ایک نماز کا وقت ظاہر کر دیا گیا ہے (۱) دلکت الشمس مالت و زالت عن کبد السماء کے معنے ہیں سورج ڈھل گیا۔ گویا زوال کو دلوک کہتے ہیں۔ اس میں ظہر کی نماز آ گئی (۲) اصفرّت جب سورج زرد پڑ جائے تو اس کو بھی دلوک کہتے ہیں اس میں نماز عصر کا وقت بتایا گیا ہے۔ (۳) تیسرے معنی دلکت الشمس کے ہیں غربت یعنی غروبِ شمس۔ اس میں نماز مغرب کا وقت بتایا گیا ہے (۴) غسق اللیل کے معنے ظلمۃ اوّل اللیل کے ہیں۔ یعنی رات کے ابتدائی حصہ کی تاریکی اس میں نماز عشاء کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے (۵) قرآن الفجر کہہ کر صبح کی نماز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری اپنی تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں (وقرآن الفجر) صلٰوۃ الفجر سمّیت قرآنًا

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ میں نماز تہجد کو بیان کیا گیا ہے۔ تہجّد کے معنی سو کر اٹھنے کے ہیں وفی اللسان تھجد القوم استیقظوا للصلٰوۃِ او غیرھا۔ لسان العرب میں لکھا ہے کہ تہجد القوم کے معنی لوگوں کے سونے کے بعد نماز وغیرہ کے لئے بیدار ہونے کے ہیں (اقرب) اس لئے تہجد کی نماز سے پہلے سونا ضروری ہے۔ جو لوگ ساری رات جاگ کر چلّے کرتے ہیں وہ عبادت نہیں کرتے وہ شریعت کے منشاء کے خلاف کرتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پہلی رات سوتے تھے اور آخر رات میں اُٹھ کر تہجد پڑھتے اور اس پر مداومت اختیار فرماتے اور بالالتزام ادا کرتے یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے پاؤں تک سوج جاتے۔ چنانچہ حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے (عن المغیرۃِ قال قام النبیّ صلے اللہ علیہ وسلّم حتّٰی تورّمت قدماہ فقیل لہٗ لِمَ تصنع ھذا وقد غُفِرَ لک ما تقدّم من ذنبک وما تأخّر قال اَفلا اکون عبدًا شکورًا متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۱۰۱) حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تہجد میں اتنا قیام فرمایا کرتے تھے کہ اس کے باعث حضور کے قدم متورم ہو جاتے تھے حضورؐ سے عرض کی گئی کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کے اگلے اور پچھلے قصور معاف کر دیئے گئے ہیں حضورؐ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالےٰ کا شاکر بندہ نہ بنوں۔ نافلۃً لک۔ نافلہ کے معنے ہیں دی ہوئی چیز

دیا ہوا انعام۔ زائد عبادت یعنی وہ عبادت جو پانچ مفروضہ نمازوں کے علاوہ ہے۔ گویا تہجد ایک انعام اور زائد عبادت ہے جو بطور احسان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ضروری قرار دی گئی۔

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔ بالکل متوقع ہے کہ تیرا رب تجھے حمد والے مقام پر کھڑا کر دے۔ اس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ پانچ مفروضہ نمازوں کے ادا کرنے اور تہجد پڑھنے کے نتیجہ میں آپؐ کو مقام محمود پر کھڑا کر دیا جائے گا (۱) مقام محمود سے مراد وہ عزت واحترام ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق مومنوں کے قلوب میں پایا جاتا ہے اور اس جذبہ کے ماتحت وہ آپ پر درود پڑھتے ہیں اور اسی طرح عرش سے خود اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے آپ کی تعریف کرتے ہیں۔ اور یہ وہ مقام ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ
عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥
(احزاب ۵۷)

ترجمہ:- یقیناً اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے رہتے ہیں اے مومنو! تم بھی اس پر بکثرت درود اور سلام بھیجو،

(۲) <u>مقام محمود</u> سے مراد رتبہ شفاعت بھی ہے چنانچہ صحابہؓ سے منقول ہے جب قیامت کے دن ہولناک میدان میں لوگ گھبرا کر ایک شفیع کی تلاش میں نکلیں گے اور حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر مختلف انبیاء سے گزرتے ہوئے آخر میں ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر شفاعت کے خواستگار ہوں گے اُس وقت آپؐ کمال عبودیت سے اللہ تعالےٰ کے دربار میں سربسجود ہو کر اذن شفاعت طلب کریں گے جس پر آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ اور حضورؐ لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور اللہ تعالےٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

چنانچہ حضرت انسؓ واقعات شفاعت بیان کرنے کے بعد روایت کرتے ہیں

"وھو المقام المحمود الذی قال اللہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔ (ترمذی جلد ۲ صـ۱۴۸ تفسیر بنی اسرائیل)

نیز حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے:-

"وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ

عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودًا و سئل عنها قال هی الشفاعة (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قول عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودًا کے متعلق فرمایا جب آپؐ سے آیت مذکورہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ شفاعت ہے۔

(۳)۔ مقام محمود سے مراد ظہور مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام بھی ہے جس کے زمانہ میں اسلام کو بذریعہ براہین و دلائل تمام ادیان باطلہ پر غلبہ مقدر ہے جس کی طرف آیت ھو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون (الصف) اشارہ کرتی ہے۔

نماز تہجد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے لازمی اور ضروری تھی جیسا کہ آیت زیر تفسیر اور یایها المزمل قم الیل (سورۃ مزمل) سے ظاہر ہے لیکن عام افراد امت کے لئے بطور تطوع کے ہے۔ ہاں امت کے وہ اشخاص جو ترقی کی منزل پر آنا چاہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں حسب درجات رنگین ہونا چاہیں انہیں تہجد کی پابندی ضرور کرنی چاہیئے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے

وعن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اَشْرَافُ اُمَّتِی حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۲)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میری امت کے معزز وہ لوگ ہیں جو حامل قرآن (یعنی قرآن پر قائم اور اس پر عمل کرنے والے) اور تہجد گزار ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ عباد الرحمٰن کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

والذین یبیتون لربهم سجدًا وقیاما (الفرقان ع ۶)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے کھڑے رات گزارتے ہیں

نیز متقین کے بارہ میں فرمایا

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (الذاریات ع ۱)

ترجمہ۔ وہ رات کو بہت کم سوتے تھے اور سحری کے وقت وہ استغفار کیا کرتے تھے،

اور حقیقی اور سچے مومنوں کے متعلق یوں ذکر فرمایا۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (السجدۃ ۱۷)

ترجمہ:۔ ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں وہ اپنے رب کو ڈر ڈر کر اور امیدیں رکھ رکھ کر پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

نماز تہجد کی اہمیت از روئے احادیث

احادیث میں مذکور ہے:۔

(۱)۔ عن ابی امامۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علیکم بقیام اللیل فانّہ دابُ الصالحین قبلکم وھو قربۃ لکم الی ربکم ومَکْفَرَۃٌ للسیّئاتِ ومَنْھاۃٌ عَنِ الاثمِ۔"

(رواہ الترمذی رمشکوٰۃ باب التحریض علی قیام اللیل صلا)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم رات کے قیام کا التزام کرو (یعنی تہجد بالالتزام ادا کرو) کیونکہ یہ ان صالحین کا طریق رہا ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور یہ تمہارے لئے قرب الٰہی کا طریقہ غلطیوں کے ڈھانپنے کا ذریعہ اور گناہوں سے رکنے کا موجب ہے۔

(۲) عن ابی ھریرۃ اَنَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قالَ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی كُلَّ لَيْلَةٍ الی السَّمَاءِ الدُّنیا حین یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ فَيقولُ من يَدْعُوْنِی فَاَسْتَجِيبَ لَہٗ ومن يَسْأَلُنِی فَاُعْطِيَہٗ وَمَنْ يَسْتَغْفِرُنِی فَاَغْفِرَ لَہٗ"

(باب الدعاء والصلوٰۃ من آخر اللیل بخاری ومسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات نچلے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے۔ جب رات کا آخری تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کون مجھے پکارتا ہے کہ میں اسکی دعا کو قبول کروں کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے دوں اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں

اسے بخشوں۔

(۳)۔ عَنْ جابرٍ اَنَّ رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اِنَّ مِنَ اللَّیلِ ساعۃً لایُوافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ یَسْأَلُ اللهَ خیرًا مِن اَمرِ الدنیا والآخرۃِ اِلَّا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ وَذٰالِکَ کُلَّ لَیْلَۃٍ (مسلم۔ باب فی اللیل ساعۃ مستجابۃ فیہا الدعاء)

ترجمہ :۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات میں ایک گھڑی ہوتی ہے جسے کوئی مسلم بندہ نہیں پاتا کہ وہ اللہ تعالےٰ سے دنیا اور آخرت کی کسی چیز کا مطالبہ کرے مگر اللہ تعالےٰ اسے دے دیتا ہے اور یہی ہر رات ہوتا ہے۔

(۴)۔ عَنْ ابی هریرۃ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اِنَّ اللهَ تَعَالیٰ قَالَ مَنْ عَادیٰ لِی وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ عَبْدِی بِشَیْئٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِی یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِی یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِی یَبْطِشُ بِہَا وَرِجْلَہُ الَّتِی یَمْشِی بِہَا۔ وَاِنْ سَأَلَنِی اَعْطَیْتُہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِی لَاُعِیْذَنَّہٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْئٍ اَنَا فَاعِلُہٗ تَرَدُّدِی عَن نفسِ الْمُؤمِنِ یَکْرَہُ الموتَ وَاَنَا اَکْرَہُ مَسَاءَتَہٗ

(بخاری مصری جلد ۴ باب التواضع کتاب الرقاق)

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے جو شخص میرے دلی سے جھگڑا کرتا اور عداوت رکھتا ہے میں اسے جنگ کا نوٹس دے دیتا ہوں اور کوئی بندہ میرا زیادہ مقرب نہیں بنتا کسی ذریعہ سے بمقابلہ ان فرائض کے جو میں نے اس پر مقرر کئے ہیں البتہ وہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرے قرب میں ترقی کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے

وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ چاہے تو میں ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی کام کے کرنے میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا تردد مجھے مومن کے قبض نفس کے بارہ میں ہوتا ہے وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اس کو تکلیف دینا پسند نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کا طریق عمل اور ارشادات

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے فرمایا۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز پنجگانہ کے سوا عام طور پر دو قسم کے نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک نماز اشراق (دو یا چار رکعات) جو آپ کبھی کبھی پڑھتے تھے اور دوسرے نماز تہجد (آٹھ رکعات) جو آپ ہمیشہ پڑھتے تھے سوائے اس کے کہ آپ زیادہ بیمار ہوں۔ لیکن ایسی صورت میں بھی آپ تہجد کے وقت بستر پر لیٹے لیٹے ہی دعا مانگ لیتے تھے۔ اور آخری عمر میں بوجہ کمزوری کے عموماً بیٹھ کر نماز تہجد ادا کرتے تھے"

(سیرۃ المہدی۔ حصہ اول صـ۲)

حضورؑ نے دس شرائط بیعت جو بیعت کنندگان کے لئے مقرر فرمائیں۔ ان میں سے تیسری شرط یہ ہے:۔

(۱) "یہ کہ بلا ناغہ پنج وقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنائے گا۔"

۲۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"سچے مسلمان ہمیشہ غلبہ اسلام کے لئے دعائیں مانگتے ہیں اور تہجد بھی پڑھتے ہیں اور نماز میں بھی ان کو رقت طاری ہوتی ہے۔ اور آیت یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا کا مصداق ہوتے ہیں"

(انوار الاسلام صـ۴۳)

(۳) نیز فرمایا :-

"ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ تہجد کی نماز کو لازم کر لیں جو زیادہ نہیں وہ دو ہی رکعت پڑھ لے کیونکہ اس کو دعا کرنے کا موقعہ بہرحال مل جائے گا۔ اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ سچے درد اور جوش سے نکلتی ہیں۔ جب تک ایک خاص سوز اور درد دل میں نہ ہو اس وقت تک ایک شخص خواب راحت سے بیدار کب ہو سکتا ہے ؟ پس اس وقت کا اٹھنا ہی ایک درد دل پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے دعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی اضطراب اور اضطرار قبولیت دعا کا موجب ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر اٹھنے میں سستی اور غفلت سے کام لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ درد اور سوز دل میں نہیں۔ کیونکہ نیند تو غم کو دور کر دیتی ہے لیکن جب کہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی درد اور غم نیند سے بھی بڑھ کر ہے جو بیدار کر رہا ہے"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۲۴۵)

حضور علیہ السلام مزید فرماتے ہیں :-

(۴) "خدا تعالیٰ بڑا کریم ہے۔ اس کی کریمی کا بڑا گہرا سمندر ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور جس کو تلاش کرنے والا اور طلب کرنے والا کبھی محروم نہیں رہا اس لئے تم کو چاہیئے کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگو اور اس کے فضل کو طلب کرو۔ ہر ایک نماز میں دعا کے لئے کئی مواقع ہیں، رکوع، قیام، قعدہ، سجدہ وغیرہ۔ پھر آٹھ پہر دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھی جاتی ہے، فجر، ظہر، عصر، شام اور عشاء۔ ان پر ترقی کر کے اشراق اور تہجد کی نماز ہیں۔ یہ سب دعا ہی کے لئے مواقع ہیں۔ نماز کی اصل غرض اور مغز دعا ہی ہے اور دعا مانگنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عین مطابق ہے۔ مثلاً عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ جب بچہ روتا دھوتا ہے، اضطراب ظاہر کرتا ہے تو ماں کس قدر بے قرار ہو کر اس کو دودھ دیتی ہے۔ الوہیت اور عبودیت میں اسی قسم کا ایک

تعلق ہے جس کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر گر پڑتا ہے اور نہایت عاجزی اور خشوع خضوع کے ساتھ اس کے حضور اپنے حالات کو پیش کرتا ہے اور اس سے اپنی حاجات کو مانگتا ہے تو الوہیت کا کرم جوش میں آتا ہے اور ایسے شخص پر رحم کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا دودھ بھی ایک گریہ کو چاہتا ہے۔ اس لئے اس کے حضور رونے والی آنکھ پیش کرنی چاہیئے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۵۱ - ۳۵۲)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تہجد کی اہمیت کو سمجھنے اور اس کی عظیم الشان برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اس کی رضا کی راہوں پر چل کر اور قرب الٰہی میں ترقی کر کے زندگی کے اصل مقصد کو حاصل کر سکیں۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

خدا کے ساتھ محبتِ تام کا ذریعہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"نوافل متمّم فرائض ہوتے ہیں۔ نفل کے وقت دل میں ایک خشوع اور خوف ہوتا ہے کہ فرائض میں جو قصور ہوا ہے وہ اب پورا ہو جائے یہی وہ راز ہے جو نوافل کو قربِ الٰہی کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے گویا خشوع اور تذلّل اور انقطاع کی حالت اس میں پیدا ہوتی ہے..... پس یاد رکھو کہ خدا سے محبتِ تام نفل ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔"

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۱۹۹)

اتحاد و اتفاق کی ضرورت اور اسکی اہمیت

(مکرم جناب نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ) :-

جماعت افراد کے مجموعے کا نام ہے لیکن افراد کا ہر مجموعہ جماعت کا نام پانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر کسی جگہ پر بہت سے لوگ جمع ہو جائیں جیسا کہ پبلک جلسوں میں ہوتا ہے تو اسے مجموعۂ افراد تو کہا جا سکتا ہے لیکن اسے جماعت کا نام دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ دراصل جماعت افراد کے ایسے مجموعے کا نام ہے جس میں تمام افراد ایک دوسرے سے منسلک ہوں اور کسی نہ کسی وجہ سے رشتۂ وابستگی رکھتے ہوں اور جس قدر یہ رشتۂ وابستگی مضبوط ہوگا۔ اسی قدر جماعت کے متعلق کہا جا سکے گا کہ یہ بھی مضبوط ہے اس رشتہ میں ذرا سا بھی رخنہ آجانے سے بلاشک و شبہ جماعت کی پوزیشن کمزور ہو جائے گی اور جماعت اس راہ پر گامزن ہو جائے گی جس کی آخری حد جماعت کو اس کے اصطلاحی نام سے محروم کر دیتی ہے۔

پس جماعتیں افراد کے ایسے مجموعوں کا نام ہوتی ہیں جن کے افراد ایک دوسرے سے منسلک ہوں اور آپس میں رشتۂ وابستگی رکھتے ہوں۔ اس رشتۂ وابستگی کی مضبوطی کے لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ گویا کہ یہ رشتہ وابستگی ایسا مضبوط ہونا چاہیئے جیسے دو حقیقی بھائیوں میں خونی رشتہ ہوتا ہے۔ اور ان کی آپس میں محبت اور الفت مثالی ہونی چاہیئے۔ اور وہ لوگ جن پر حقیقی معنوں میں جماعت کا نام صادق نہیں آسکتا یا جن کے متعلق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی قائم کردہ جماعت کی مخالفت میں کمربستہ ہو جاتے ہیں گو وہ بھی افراد کا ایک ایسا ہی مجموعہ نظر آتے ہیں جس پر جماعت کا گمان ہو۔ لیکن ان کی دلی کیفیت ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہونے کی وجہ سے وہ درحقیقت جماعت نہیں کہلا سکتے۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى تو ان کو ایک قوم خیال کرتا ہے لیکن ان کے دل پھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس آیۂ کریمہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حقیقی طور پر جماعت کا نام پانے کے لئے ایسا رشتہ ضروری ہے کہ اس مجموعہ افراد کے دلوں میں ہم آہنگی پائی جائے۔ اگرچہ ہر بات میں اور ہر خیال میں اور ہر ایک کے زاویۂ نظر میں

یکسانیت کا پایا جانا تو قریب قریب محال ہے لیکن جس قدر یکسانیت زیادہ ہوگی اتنی ہی ہر بات جماعت کی مضبوطی کا ثبوت بہم پہنچائے گی۔

کم از کم تمام ضروری اور اہم امور میں تو دلوں میں یکسانیت کا پایا جانا از حد لازمی ہے۔ قرآن کریم نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :- واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً۔
جس رشتہ وابستگی کا میں نے ذکر کیا ہے اس کو دوسرے الفاظ میں اتحاد اور اتفاق بھی کہا جا سکتا ہے۔ تو گویا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اتحاد و اتفاق کے بغیر کسی مجموعہ افراد کا جماعت کہلانا بے معنی سی بات ہے۔ یہ امر اتنا واضح ہے کہ اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت پر کچھ کہتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں چند ایک باتیں کسی دوسرے زاویے سے کہی جانی ضروری ہیں۔ مثلاً اتحاد و اتفاق کیونکر پیدا ہوتا ہے اور کیونکر اس میں کمی آتی ہے۔ اتحاد و اتفاق سے کیا فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں اور اس کی عدم موجودگی میں کونسے نقصانات لازمی طور پر اٹھانے پڑتے ہیں۔

سب سے پہلے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک ایسی عبارت پیش کرتا ہوں جس میں حضور نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تمدنی اور اتحادی حالت کو قائم رکھنے کے لئے ایک امام کا ہونا ضروری ہے حضور فرماتے ہیں :-

"قرآن شریف میں جو یہ آیت آئی ہے افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت یہ آیت نبوت اور امامت کے مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے بڑی معاون ہے۔ اونٹ کے عربی زبان میں ہزار کے قریب نام ہیں اور پھر ان ناموں میں سے ابل کے لفظ کو جو لیا گیا ہے اس میں کیا سِر ہے۔ "الی الجمل" بھی تو ہو سکتا تھا۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جمل ایک اونٹ کو کہتے ہیں اور ابل اسم جمع ہے۔ یہاں چونکہ اللہ تعالیٰ کو تمدنی اور اجتماعی حالت کا دکھانا مقصود تھا اور جمل میں جو ایک اونٹ پر بولا جاتا ہے یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا تھا اس لئے ابل کے لفظ کو پسند فرمایا۔ اونٹوں میں ایک دوسرے کی پیروی اور اطاعت کی قوت رکھی گئی ہے۔ دیکھو اونٹوں کی ایک لمبی قطار ہوتی ہے اور وہ کس طرح پر اس اونٹ کے پیچھے ایک خاص انداز اور رفتار سے چلتے ہیں اور وہ اونٹ جو سب سے پہلے بطور امام اور پیشرو کے ہوتا ہے، وہ ہوتا ہے جو بڑا تجربہ کار اور راستہ سے واقف ہو پھر سب اونٹ ایک دوسرے کے پیچھے برابر رفتار سے چلتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی کے دل میں برابر چلنے کی ہوس پیدا نہیں ہوتی جو دوسرے جانوروں میں ہے جیسے گھوڑے وغیرہ میں۔ گویا اونٹ کی سرشت میں اتباع امام کا مسئلہ ایک مانا ہوا مسئلہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے افلا ینظرون الی الابل کہہ کر اس مجموعی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہ اونٹ ایک قطار میں جا رہے ہوں۔ اس طرح پر ضروری ہے کہ تمدنی اور اتحادی حالت کو قائم رکھنے کے واسطے ایک امام ہو" (الحکم ۲۴۔ نومبر ۱۹۰۰ء)

عبارت مختصر ہے لیکن معنی سے پُر۔ ہم اس عبارت پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی یہ سبق سیکھ سکتے ہیں

کہ اتحاد نہایت ضروری چیز ہے۔ اتحاد قائم رکھنے کے لئے ایک امام کی اشد ضرورت ہے بلکہ امام کے بغیر اتحاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اور یہ کہ اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ اتباع کی عادت ڈالی جائے اگر ہر شخص اپنے دائرہ عمل کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے دائرہ عمل میں داخل ہونے کی از خود کوشش کرے گا تو وہ اتحاد کو برباد کرنے والا ہوگا۔ اور یہ بھی کہ ان کے دلوں میں وابستگی کا جذبہ موجود ہونا چاہیئے

جب تک کسی جماعت کے افراد اپنے اندر یہ خاصیتیں نہ پیدا کریں نہ ان کی پوزیشن مستحکم ہو سکتی ہے اور نہ ان کا اتحاد قائم رہ سکتا ہے۔ جماعتی اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے والی باتیں تو کئی ہیں لیکن دو باتیں ان میں سے بہت زیادہ اہم ہیں ان میں سے ایک تو بدظنی ہے اور دوسری تکبر۔ بدظنی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اجتنبوا کثیرًا من الظّنّ ان بعض الظّنّ اثم (الحجرات آیت ۱۳) بہت سے گمانوں سے بچتے رہا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ بن جاتے ہیں۔

گناہ بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک تو ایسے گناہ ہیں کہ ان کا اثر انسان کی اپنی ذات تک ہی محدود رہتا ہے اور دوسرے ایسے ہیں جن کا اثر دوسرے لوگوں پر بھی پڑتا ہے۔ چنانچہ اس دوسری قسم کے گناہ کا مرتکب زیادہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ بدظنی بھی ایک ایسا گناہ ہے جس کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے۔ اور جماعتی شیرازہ کو تو یہ گناہ بکھیر کر رکھ دیتا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"ان تمام اخلاقی جرائم میں جو اتفاق و اتحاد کو توڑنے والے ہیں بڑا جرم بدظنی ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہوتی یونہی خیال کر لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا میرے متعلق یہ خیال ہے اور اس طرح اس سے عداوت کرنی شروع کر دی جاتی ہے یہ ایک ایسا مرض ہے جس کا یقینی نتیجہ بے اتفاقی ہوتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے جماعت احمدیہ کو چھوڑا اور جو کبھی جماعت احمدیہ کی طرف منسوب تھے اب ان میں احمدیت برائے نام ہے ان کی علیحدگی کی وجہ بدظنی ہے اگر ان میں بدظنی نہ ہوتی تو وہ جماعت سے علیحدہ نہ ہوتے۔ یہ تمام بدظنی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ جس میں مبتلا ہو کر انسان کہیں سے کہیں نکل جاتا ہے مجھے اس کا بڑا تجربہ ہے میں روز دیکھتا ہوں کہ یہ خطرناک مرض ہے۔ حضرت صاحبؑ نے اس سے بچنے پر بہت زور دیا ہے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی تو ثلث زندگی اس پر وعظ کرتے گزری، میں بھی تمہیں اکثر کہتا رہتا ہوں کہ بدظنی سے بچو۔ احمدی اور مسلم کیا اور بدظنی کیا۔ ان کا اس میں تعلق ہی کیا ہے۔ یونہی قیاس کر لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے جو فلاں بات کی ہے وہ عداوت سے کی ہے اور یہ محض بدظنی ہے۔ لوگ تو کہتے ہیں آٹے میں نمک، وہ سر اسر نمک ہی ہوتا ہے آٹا تو ہوتا ہی نہیں ان کی بدظنی کی اکثر کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ ان سے بچو یہ سب سے بڑی بیماری ہے جو اتحاد و اتفاق کو توڑ دیتی ہے"

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اتحاد و اتفاق کو توڑنے والی باتیں تو بہت ہیں لیکن ان میں سے دو بڑی خطرناک باتیں ہیں اور وہ ہیں

بدظنی اور تکبر۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں کے ذکر کے درمیان ایک اور بات کا پیش کر دینا بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے اور وہ ہے لوگوں میں درگزر کرنے کے مادہ کا فقدان۔ اتحاد اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم کچھ لیں اور کچھ دیں جسے انگریزی میں GIVE AND TAKE کہتے ہیں یعنی اگر کبھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری غلطیوں سے لوگ درگزر کریں تو ہمیں بھی ان کی غلطیوں سے درگزر کرنا چاہیئے۔ یہ بات نہایت ہی اہم ہے اگر لوگوں میں یہ جذبہ موجود نہ ہو تو وہ یقیناً ذرا ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھیں گے اور اتحاد پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گا۔

اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"دوسری چیز جو اتحاد کو توڑنے والی ہوتی ہے وہ عفو کی صفت کا موجود نہ ہونا ہے۔ جرم تو ہوتا ہے مگر اس کو عفو کرنا بھی ایک کام ہے جب دیکھتے ہیں کہ کسی سے غلطی ہوئی ہے تو اس کو معاف نہیں کرتے اس سے درگزر نہیں کرتے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو تین دن تک غصہ کی وجہ سے نہیں بولتا اس کا ہم سے تعلق نہیں۔ معمولی سی بات ہوتی ہے اس پر گفتگو چھوڑ دیتے ہیں اور مدتوں آپس میں نہیں بولتے۔ اول تو میں نے بتایا ہے کہ بدظنی سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ دوسرے عفو اور درگزر کا نہ ہونا بھی خرابیاں پیدا کرتا ہے اگر بدظنی ہو بھی تو عفو سے کام لینا چاہیئے ورنہ عفو کس غرض سے رکھا گیا ہے۔ سیاسی طور پر قطع کلام کرنا ایک سزا ہے لیکن بے وجہ یا معمولی سی بات پر بولنا چھوڑ دینا ایمان کی کمزوری کی علامت ہے اس کا نتیجہ شقاق اور افتراق ہے میں جانتا ہوں ہمارے یہاں ایسے بعض لوگ موجود ہیں جو مہینوں بلکہ سالوں سے آپس میں نہیں بولتے اور پھر وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے عمل میں اور ایمان میں کوئی کمی نہیں اور اس کا نتیجہ اسلام کے لئے کوئی خرابی پیدا نہیں کرتا حالانکہ میں نے بتایا ہے کہ بعض گناہ ذاتی ہوتے ہیں کہ ان کا اثر اس شخص کی ذات تک ہوتا ہے خواہ بالواسطہ دوسروں پر بھی اثر ڈالے مگر یہ وہ گناہ ہے جو براہ راست دوسروں پر بھی اثر ڈالتا ہے۔ ایک شخص جو دوسروں سے گفتگو ترک کرتا ہے اسلام میں تفرقہ ڈالتا ہے اور پھر وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں مسلم ہوں اور مخلص ہوں۔ اسلام کس چیز کا نام ہے خالی اس تعلیم کا نام نہیں جو قرآن کریم میں ہے بلکہ اسلام اس جماعت کا بھی نام ہے جو اسلامی تعلیم اٹھائے ہوئے ہے۔ خالی کتاب کیا چیز ہے اگر اس کی تعلیمات کا ظہور نہیں ہوتا۔ یہ کتاب کیسے پھیلے اگر اس کے جھنڈا بردار نہ ہوں۔ جب مسلمانوں نے اس گر کو بھلا دیا اور آپس میں محبت و وداد کم ہو گیا تو دیکھو مسلمانوں کی کیا بری گت ہوئی۔ جو شخص ترک گفتگو کرتا ہے وہ اسلام پر حملہ کرتا ہے دیکھو قرآن خدا کے علم

میں موجود تھا۔ مگر یہ دنیا کے لئے مفید نہیں تھا۔ یہ اس وقت فائدہ مند ہوا جب خدا نے اسے اپنے ایک بندے کے ذریعہ دنیا میں نازل فرمایا۔ پھر اس کو اٹھانے والی ایک جماعت ہوئی اور اس کی تعلیمات کو دنیا میں پھیلایا اس لئے ایسی جماعت میں تفرقہ ڈالنا اسلام میں فتنہ ڈالنا ہے۔ پس اس راہ سے بچو جس پر چل کر اسلام پر حرف آئے۔" حضورؓ خلاصہ کے طور پر فرماتے ہیں:" یہ دو باتیں خاص طور پر مدنظر رکھنی چاہئیں۔ (۱) بدظنی نہ ہو۔ (۲) نڈر گز رہو۔ جب یہ دونوں باتیں مدنظر ہوں تو پھر کبھی تفرقہ نہیں پیدا ہو سکتا۔ یاد رکھو تمہیں اپنے رشتہ داروں عزیزوں کی نسبت اسلام سے زیادہ محبت ہونی چاہیئے۔ تم دیکھو کہ خدا، رسول اور قرآن کدھر ہیں۔ بدظنی کو چھوڑ دیا کرو۔ اور عفو سے کام لیا کرو۔ اس کی وجہ سے تمام اختلاف دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اس بات کے سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین" (الفضل ۸ رجولائی ۱۹۲۰ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ ارشادات ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہونے چاہئیں حضورؓ نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ نہ صرف قومی زندگی بلکہ ہر قسم کی ترقیات کے راستے کھلے ہی صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو اتحاد و اتفاق سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہماری جماعت کے ذمہ جو کام اس زمانہ میں لگایا گیا ہے وہ اتنا اہم ہے اور وسعت کے لحاظ سے اس کا اتنا پھیلاؤ ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پھر نہ صرف اپنی اصلاح کرنا مقصود ہے بلکہ ساری دنیا کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ایک مامور بھیجا ہے اور ہمیں اس بات کا مکلف کر دیا ہے کہ ہم اس کے مشن کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلائیں۔ ہم تھوڑے ہیں بظاہر کمزور و نادار غریب ہیں اور کام ہر اس مشکل سے بھی زیادہ مشکل ہے جس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اتحاد و اتفاق کی راہوں پر گامزن نہ ہوں تو یہ کام کیسے ہو۔ حضرت امیر المومنین کے یہ الفاظ ہمارے لئے ایک زبردست انتباہ کی حیثیت رکھتے ہیں "جب مسلمانوں نے اس گر کو بھلا دیا اور آپس میں محبت و وداد کم ہو گیا تو دیکھ لو مسلمانوں کی کیا بری گت ہوئی" ہمیں اس مثال کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہیئے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اتحاد و اتفاق کی اہمیت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ ہماری ترقی کا راز اس میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نہاں در نہاں مقدرتیں اب ہماری ترقیات ہی کے انتظام کر رہی ہیں۔ آئیے ہم غور کریں کہ ان حالات میں ہماری ذمہ داری کس درجہ بڑھ جاتی ہے اور ہم کس طرح اس سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جو جماعتی کامیابیوں کے لئے ہر لحظہ بے قرار نہ رہتا ہو اور جماعت کی کسی میدان میں کامیابی کی خبر ملتے ہی اس کا دل بلیوں نہ اچھلنے لگتا ہو لیکن ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ کامیابی کے لئے ملی وحدت از بس ضروری ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔

"پھر کامیابی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وحدت ہو۔ یاد رکھو کہ ترقی کے لئے خیالات و عقائد

سکے ساتھ عملی وحدت ہو۔ تم میں وہ بھی ہیں جو روپیہ کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ اتحاد کے قیام کے لئے حقوق کا قربان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جب حضرت معاویہ رضؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی بیٹھے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا یہ فعل درست نہ تھا کیونکہ اسلام میں حکومت میں وراثت نہیں ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ باپ اپنے بیٹے کو مقرر کرے بلکہ یہ اختیار اور حق مسلمانوں کا ہے کہ وہ جس کو چاہیں انتخاب کریں۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی اولاد کو ورثہ کے طور پر بادشاہت دے جائے معاویہ رضؓ نے کہا کہ کوئی ہے جو میرے بیٹے سے زیادہ مستحق ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا کپڑا جو بیٹھنے کے لئے اپنی ٹانگوں کے گرد ڈالا تھا وہ کھولا اور بات کرنے کے لئے آمادہ ہو کر گردن اٹھائی۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے دل میں آیا کہ کہوں کہ ہاں وہ شخص مستحق ہے کہ جس کا باپ اسلام کی طرف سے لڑا اور وہ خود بھی اسلام کی طرف سے لڑا جب کہ تم اور تمہارا باپ کافروں کی طرف سے لڑ رہے تھے مگر میں اس خیال سے خاموش رہا کہ مسلمانوں میں تفرقہ نہ پڑ جائے۔ یہ وہ شخص ہیں جن کو لوگوں نے خلافت کے لئے اس وقت پیش کیا جب کہ معاویہؓ کی اور حضرت علیؓ کی جنگ تھی۔ اور تجویز کی گئی تھی کہ حضرت علیؓ کو برطرف کر کے ان کو خلیفہ بنایا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا شخص اگر بولتا تو کئی اسلامی ممالک اس کے ساتھ ہو جاتے مگر اس نے بادشاہت پر نظر نہ کی اور وحدت اور اتفاق کو مقدم رکھا۔ پھر یہ بات ہے کہ جب تک تم میں منافق ہیں وہ وحدت کے راستے میں روک ہیں۔ وحدت کے لئے ضروری ہے کہ منافقوں کو نکالا جائے۔ منافق کا سلسلہ سے کاٹنا اپنے اہم فرائض میں سے سمجھو۔" (الفضل ۲۹ اگست ۱۹۲۲ء)

میرے بزرگو اور بھائیو۔ ذرا اندازہ کرو کہ ایک شخص کے سامنے بادشاہت اتنی قریب ہے کہ اگر وہ ہاتھ بڑھائے تو اسے اٹھا لے اور سارے عالم اسلامی پر حکومت کرے لیکن وہ شخص اس لئے خاموش رہتا ہے کہ اس طرح مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جانے کا ڈر تھا۔ اللہ اللہ کس شان کا ہے یہ احساسِ وحدت۔ اس قسم کے لوگوں کے متعلق صحیح معنوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اتحاد و اتفاق کے مضبوط ستون ہیں۔ ہمیں اپنی زندگیوں کو ٹٹولنا چاہیئے اور غور سے دیکھنا چاہیئے کہ ہم اس سلسلہ میں کس منزل میں ہیں۔ ہمارے دل اور دماغ کیا محسوس کرتے ہیں اور کیا سوچتے ہیں۔ ہم قومی اتحاد و اتفاق کو کیا درجہ دیتے ہیں اور کیا کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم اس زمانے میں نشانِ منزل کا کام دیتے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر دوسرے کارواں اس راہ میں راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ اتحاد و اتفاق کے سلسلہ میں بھی ایک مضبوط چٹان بن کر دکھا دیں تا کہ دنیا ہمارے اتحاد اور اتفاق کو مثال کے طور پر پیش کر سکے۔ میں پہلے گزارش کر چکا ہوں کہ اتحاد و اتفاق کو توڑنے والی اہم باتوں میں سے ایک تکبر بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی کے دل میں تکبر پیدا ہو جائے تو وہ یقیناً دوسروں کو

اپنے سے ذلیل سمجھے گا اور جہاں کچھ لوگوں کو ذلیل سمجھا جائے وہاں اتحاد و اتفاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ (الحجرات ۱۲)
کوئی قوم کسی قوم سے اسے حقیر سمجھ کر ہنسی مذاق نہ کیا کرے ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہو۔

اور اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات ۱۴)
اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے

اس میں کیا شک ہے کہ اگر بزرگی و برتری کے لئے اللہ تعالیٰ سے تعلقات کو معیار بنایا جائے تو نہ صرف یہ کہ ذلت و عزت کا خیال کبھی دل میں نہ آئے گا بلکہ ہر شخص استبقوا الخیرات کے پیش نظر نیکیوں میں بڑھنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ یہی بات اس کی عزت کا باعث بن سکتی ہے۔ تکبر سے بچنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو یوں نصیحت فرماتے ہیں:۔

" میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے مگر شاید تم نہیں سمجھو گے کہ تکبر کیا چیز ہے پس مجھ سے سمجھ لو کہ میں خدا کی روح سے بولتا ہوں ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اس لئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ عالم یا عقلمند یا زیادہ ہنرمند ہے وہ متکبر ہے کیونکہ وہ خدا کو سرچشمہ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے کیا خدا قادر نہیں کہ اسے دیوانہ کر دے اور اس کے بھائی کو جس کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے اس سے بہتر عقل اور علم اور ہنر دے دے ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کسی مال یا جاہ و حشمت کا تصور کر کے اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ یہ جاہ و حشمت خدا نے ہی اس کو دی تھی اور وہ اندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ خدا قادر ہے کہ اس پر ایک ایسی گردش نازل کرے کہ وہ ایک دم میں اسفل السافلین میں جا پڑے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ حقیر سمجھتا ہے اس سے بہتر مال و دولت عطا کر دے ایسا ہی وہ شخص جو اپنی صحت بدنی پر غرور کرتا ہے یا اپنے حسن اور جمال اور قوت اور طاقت پر نازاں ہے اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزاء سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے اور اس کے بدنی عیوب لوگوں کو سناتا ہے وہ بھی متکبر ہے اور وہ اس خدا سے بے خبر ہے کہ ایک دم میں اس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اس بھائی سے اس کو بدتر کر دے اور وہ جس کی تحقیر کی گئی ہے ایک مدت دراز تک اس کے قویٰ میں برکت دے وہ کم نہ ہوں اور نہ باطل ہوں کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ایسا ہی وہ شخص بھی جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے میں سست ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ قوتوں اور قدرتوں کا سرچشمہ کو اس نے شناخت نہیں کیا اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھتا ہے سو تم اے عزیزو ان تمام باتوں کو یاد

دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالےٰ کی نظر میں متکبر ٹھہر جاؤ اور تم کو خبر نہ ہو۔ ایک شخص جو اپنے ایک بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصّہ لیا۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے سننا نہیں چاہتا اور منہ پھیر لیتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصّہ لیا ہے ایک غریب بھائی جو اس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصّہ لیا ہے اور وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی پورے طور پر اطاعت کرنا نہیں چاہتا اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے اور وہ جو خدا کے مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے حصّہ لیا ہے سو کوشش کرو کہ کوئی حصّہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ۔ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ۔ خدا کی طرف جھکو اور جس قدر دنیا میں کسی سے محبت ممکن ہے تم اس سے کرو اور جس قدر دنیا میں کسی سے انسان ڈر سکتا ہے تم اپنے خدا سے ڈرو پاک دل ہو جاؤ اور پاک ارادہ اور غریب اور مسکین اور بے شر تا تم پر رحم کیا جائے۔" (نزول المسیح ص۲۴ و ص۲۵)

تکبر فی الحقیقت ایک ایسی چیز ہے جو انسانوں کو انسانوں سے الگ کر دیتی ہے ان میں تفرقہ ڈال دیتی ہے ان کے اتحاد اور اتفاق کو تباہ کر دیتی ہے اور نہ صرف یہ کہ ان کے اتحاد اور اتفاق کو تباہ کر دیتی ہے بلکہ ان کے درمیان ایسی دشمنی کی بنیاد رکھ دیتی ہے جو لازماً ابھر کر پھوٹتی ہے فی زمانہ سماج کے اکثر جھگڑے جن کو مختلف ازم کے نام دیئے گئے ہیں اسی تکبر ہی کا نتیجہ ہیں۔ مال و زر کی فراوانی نے ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ سے جس کے پاس بہت کچھ نہیں ہے تکبر کے ذریعہ الگ کر رکھا ہے لیکن جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تکبر صرف مال و زر ہی سے پیدا نہیں ہوتا علم و فن سے بھی پیدا ہو سکتا ہے عالم کم علم کے سامنے تکبر سے پیش آئے تو وہ بھی تکبر ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ رویہ بھی اتحاد و اتفاق کو برباد کرنے والا ہے۔

تکبر اور اتحاد و اتفاق کے سلسلہ میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ حضور فرماتے ہیں:۔

"کوشش کرو کہ کوئی حصّہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ" تکبر نہ کرنے والے کے ساتھ اس کے اہل و عیال کی نجات کا بھی ذکر یہ بتاتا ہے کہ تکبر اتحاد کی راہ میں حائل ہے۔ اور تکبر کا نہ ہونا گھر والوں کو اور اسی طرح دوسروں کو بھی آپس میں شیر و شکر کرنے کا باعث بنتا ہے۔

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جو اقتباسات پیش کئے ہیں ان سے نہ صرف یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اتحاد و اتفاق کی اہمیت اور ضرورت کیا ہے بلکہ ان سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ہم سب کو مل کر یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر وہ بات جو اتحاد و

باقی ص۴۸ پر

اسلامی معاشرہ کا بے نظیر نظامِ اخوّت و مساوات

مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے

(قسط ششم)

اسلامی معاشرے میں اللہ تعالےٰ نے جہاں تک ذاتی انسانی حقوق کا تعلق ہے۔ تمام افراد میں ایک بے نظیر مساوات قائم کی ہے۔ معاشرے کا سربراہ اور اسی طرح سے اس کا ایک ادنیٰ ترین فرد بنیادی انسانی حقوق میں باہم برابر ہیں۔ جہاں تک بنیادی ضروریات کا تعلق ہے حقیقی اسلامی معاشرہ میں کوئی فردِ بشر بھی ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اسلامی معاشرے کا یہ نظام جسم انسانی میں نظام دوران خون سے مشابہ ہے۔ جسم انسانی میں یہ نظام جسم کے تمام حصوں کو غذا پہنچانے یعنی بنیادی ضرورت مہیا کرنے کے لحاظ سے انسانی جسم کے تمام اعضا میں مساوات قائم کرتا ہے اور سب اعضاء کو اخوت باہمی کے رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے۔

اگرچہ جسم کے اعضائے رئیسہ مثلاً دل و دماغ کی اہمیت و تفوق دیگر تمام اعضاء پر مسلّم ہے اور ضرورت پڑنے پر ہاتھ پاؤں وغیرہ کو اعضائے رئیسہ پر قربان کر دیا جاتا ہے تاہم بنیادی ضروریات پورا کرنے کے لحاظ سے نظامِ دوران خون جسم کے تمام اعضاء سے ایک جیسا سلوک کرتا ہے اور ان کو اخوّت کی ایک لڑی میں پرو دیتا ہے

اسلامی معاشرے میں بھی اللہ تعالےٰ نے تمام افراد کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات-۱۱) یعنی یاد رکھو کہ مومنوں کا باہمی رشتہ صرف بھائی بھائی کا ہے

قرآن کریم کے اس اعلان کے صدیوں بعد یورپ میں EQUALITY, FRATERNITY + BROTHERHOOD. کا نعرہ بلند کیا گیا۔ لیکن اسلام نے انسانی اخوّت کا صرف نعرہ ہی بلند نہیں کیا بلکہ اسے عملی جامہ بھی پہنا کر

دکھادیا۔ یہ اسلامی معاشرہ ہی تھا جس میں بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ جب دربار خلافت میں داخل ہوتے تو خلیفۂ وقت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا بلال! سیدنا بلال! کہتے ہوئے ان کا استقبال کرتے۔ مسلمانوں کے معاشروں میں ہی ہمیں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک بادشاہ کے مرنے کے بعد بجائے اس کے کہ اس کا کوئی بیٹا جانشین ہو اس کا غلام جانشین بنتا ہے اور یہ سلسلہ پے در پے اسیطرح جاری رہتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کا خاندانِ غلاماں اسکی ایک نمایاں مثال ہے

قرآن کریم نے انسانی حقوق کے لحاظ سے قوم کے تمام افراد کو اخوت کی لڑی میں ہی پرو دیا ہے، خواہ ان میں سے بعض افراد روحانی مقام کے لحاظ سے قوم کے باپ ہی کیوں نہ قرار دیئے جائیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے مختلف انبیائے کرام کو جو اپنے روحانی مرتبے کے لحاظ سے اپنی امتوں کے باپ تھے اپنی قوم کا بھائی ہی قرار دیا ہے۔ مثلاً حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا کہ:۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ (الاحقاف: ۲۲)

یعنی عاد کے بھائی ہود (علیہ السلام) کا ذکر کر جب کہ اس نے اپنی قوم کو ریت کے ٹیلوں کے پاس چوکس کیا اور ڈرایا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت پر روحانی شفقت، ہمدردی اور محبت اور بے نظیر فیض رسانی کے لحاظ سے تمام امت کا باپ بلکہ تمام نبیوں کا باپ قرار دیا گیا ہے اور آپ کی ازواج مطہرات کو مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا جیسا کہ فرمایا:

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (الاحزاب: ۷)

اور اس کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں

تاہم ان تمام باتوں کے باوجود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ کو جب وہ حج کے لئے جا رہے تھے اس طرح مخاطب کیا۔

لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ

اے میرے پیارے بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا

انہی معنوں میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی جماعت کو اپنے ساتھ عقدِ اخوت باندھنے کے لئے کہا ہے اگرچہ آپ بھی اپنی جماعت کے لئے روحانی طور پر بمنزلہ باپ کے ہیں۔

جسمِ انسانی میں جہاں تک غذا پہنچانے اور بنیادی ضرورتیں مہیا کرنے کا تعلق ہے نظامِ دورانِ خون کسی عضو کو بھی محروم نہیں رکھتا۔ اسی طرح ایک حقیقی اسلامی معاشرے میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایسے افراد موجود ہوں جن کے لئے بنیادی ضرورتیں مہیا نہ ہوں اور اسی معاشرے کے دوسرے ارکین

عیش و تنعم کی زندگی بسر کر رہے ہوں اسلامی معاشرے کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں ڈالی تھی اور ان کے ذریعہ قائم ہونے والے معاشرہ کو جنت کا نام دیا تھا اور اس جنت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تھا۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى۔ (طٰہٰ ۱۱۹-۱۲۰)

یعنی اے آدم اس جنت میں نہ تجھے بھوک لگے گی نہ تو ننگا ہوگا، نہ تجھے پیاس لگے گی اور نہ ہی تو دھوپ کی تکلیف اٹھائے گا۔

جس کا مطلب یہ تھا کہ اس معاشرے میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھیوں کو جب بھی بھوک لگے گی ان کو غذا مہیا ہو جایا کرے گی، اسی طرح حسب ضرورت کپڑے مل جایا کریں گے اسی طرح پیاس لگنے پر خوشگوار پانی مہیا ہوگا۔ اور دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ اور مکان ہونگے یعنی تمام بنیادی ضرورتیں جن میں سے زیادہ اہم یہی چار ہیں مہیا ہونگی

جسم انسانی میں نظام دوران خون کے ذریعہ اور دیگر مختلف ذرائع سے جسم کے تمام اعضاء ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اسی طرح سے اسلامی معاشرے میں اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ تعاون باہمی کا معنوی خون اسلامی معاشرے کے تمام افراد میں ہر دم گردش میں رہنا چاہیئے۔ چنانچہ فرمایا:-

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ: ۳)

یعنی نیکی اور تقوےٰ کے کاموں میں تم سب ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو لیکن گناہوں کے معاملے میں ہرگز تعاون نہ کرو۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بھائیوں سے تعاون کرنے کے سلسلہ میں فرمایا:

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا۔

کہ اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم۔

اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو ہماری سمجھ میں آگئی۔ اگر ہمارا بھائی ظالم ہو تو اس کی مدد ہم کیسے کریں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:

تَاْخُذُ فَوْقَ يَدِهٖ

کہ اس صورت میں تو اس کے ہاتھ کو پکڑ لے۔

اور اس کو اس کے ظلم سے روک دے یہی اس کی مدد ہے کیونکہ اس طرح تو اسے آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

اس سلسلہ مضامین کے شروع میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث

بیان کی گئی تھی کہ

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى

(بخاری کتاب الادب)

کہ تو مومنوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کرنے محبت اور احسان کرنے میں جسم انسانی کی طرح پائے گا کہ جب اس کا کوئی ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو جسم کے تمام اعضاء ایک دوسرے کو بے خوابی اور بخار کے لئے دعوت دیتے ہیں۔

یعنی سب بے قرار ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تاکیدی حکم دیا کہ ایک دوسرے کو السلام علیکم کی دعا دیا کریں کہ اے میرے بھائی تجھ پر سلامتی ہو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم کی ترویج پر بہت ہی زور دیا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث نبوی سے ظاہر ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ

(بخاری کتاب الایمان)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ کونسا اسلام بہترین ہے آپؐ نے فرمایا کہ تو اقرباء و مستحقین کو کھانا کھلائے اور السلام علیکم کہے ان کو بھی جن کو تو جانتا ہو اور ان کو بھی جن کو تو نہیں جانتا

اس میں یہی حکمت تھی کہ باہمی اخوت و مساوات کی روح افرادِ امت میں زیادہ سے زیادہ سرایت کر جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جب تم کسی گھر میں داخل ہونے لگو تو سب سے پہلے اس کے ساکنین کو السلام علیکم کی دعا دو۔ پھر یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر تمہیں کوئی السلام علیکم وغیرہ کی دعا دے تو تم اسے اس سے بڑھ کر دعا دو۔ یا کم از کم اسی کو لوٹا دو۔ چنانچہ فرمایا۔

إِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا

(النساء: ۸۷)

کہ جب تمہیں کوئی دعا یا زبانی تحفہ دیا جائے۔ تو تم اس سے بہتر زبانی تحفہ اس کو پیش کرو یا کم از کم اسی تحفے کو لوٹا دو۔ اللہ تعالےٰ ہر چیز کا حساب کتاب لینے والا ہے۔

اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو پاس بیٹھنے والا اسے یرحمک اللہ کہے پھر باہمی محبت اور اخوت کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ

وسعت دینے کے لئے ارشاد فرمایا گیا کہ مسلمان ایک دوسرے کو تحفے دیا کریں جس سے ان کے درمیان باہمی محبت بڑھے گی۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

تَهَادَوْا تَحَابُّوْا — ایک دوسرے کو ہدیے پیش کیا کرو اور اس طرح آپس میں محبت بڑھایا کرو۔

ان تمام حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے کی یہ ایک بہت بڑی خصوصیت ہے کہ اس کے افراد باہمی اخوت، محبت، مساوات، اور تعاون کی ایسی مثال پیش کرتے ہیں کہ جس کی مثال ظاہری جسمانی رشتوں میں بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ انصار مدینہؓ کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹) — کہ وہ دوسروں کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود کیسی ہی تنگی کا سامنا کیوں نہ ہو۔

اگر قوم میں ایک دوسرے سے محبت اور مودت اور باہمی ہمدردی اسی رنگ میں پیدا ہو جائے جیسا کہ اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے تو دنیا کی سب مصیبتیں ختم ہو جائیں۔ قتل و غارت کا سلسلہ بند ہو جائے کوئی تاجر بلیک نہ کرے، تمام افراد ایک دوسرے کا دُکھ درد محسوس کریں۔ اور دنیا جنت کا نمونہ بن جائے

تعاون باہمی کے سلسلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک نہایت ہی زریں ہدایت ارشاد فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (بخاری کتاب الایمان) — کہ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے۔ جو وہ اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى (النحل: ۹۱) — کہ اللہ تعالٰے حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا اور پھر قریبی رشتہ داروں والے سلوک کا

عدل تو یہ ہے کہ انسان دوسرے انسان کو اس کا حق ادا کرے اور اسی طرح سے ادا کرے۔ جس طرح کہ وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے اور حقوق کے حصول کے لحاظ سے اسے اپنے برابر کا حقدار قرار دے۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ مقام ہے کہ انسان دوسروں پر احسان کرے یعنی ان کے حقوق سے بڑھ کر ان سے حسن سلوک کرے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ مقام ہے کہ انسان بنی نوع انسان سے قریبی رشتہ داروں والا سلوک کرے۔ احسان میں اس بات کا پھر بھی خیال رہتا ہے کہ میں نے کسی پر احسان کیا

ہے لیکن قریبی رشتہ داروں سے جو سلوک کیا جاتا ہے۔ اس میں احسان کرنے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک طبعی جوش کے ماتحت وہ سلوک کیا جاتا ہے۔ مثلاً ماں اپنے بچوں کو جو دودھ پلاتی ہے تو اس وقت اس کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ ایک پرایا وجود ہے جس پر میں احسان کر رہی ہوں بلکہ وہ ایک بے اختیارانہ جذبے کے ساتھ اور بے پایاں محبت سے بھرپور ہوتی ہوئی اپنے بچے پر جھکتی ہے۔ اس بچے سے کسی بدلے کے حصول یا اس پر احسان کرنے کا خیال بھی اس کے پاس نہیں پھٹکتا بلکہ اگر اسے اس کام سے روکا جائے تو شاید اسے ایسی ہی تکلیف ہو جس طرح کہ اپنی موت سے اسی قسم کے جذبات اللہ تعالےٰ درجہ بدرجہ مومنوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

قرآن کریم میں انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا گیا ہے تا قوم کے افراد میں باہمی اخوت اور محبت کی روح قائم رہے۔ اگرچہ خدا تعالےٰ نے اپنی بے شمار حکمتوں کے تحت امیر اور غریب، غنی اور محروم کے فرق دنیا میں قائم رکھے ہیں لیکن اس کی رضامندی اسی میں ہے کہ:۔

مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (بقرہ: ۴) جو ہم نے انہیں دیا اسے خرچ کرتے ہیں

پر عمل کرکے ان فرقوں کو کم سے کم کر دیا جائے۔ اور اس طریقے سے آپس میں محبت پیدا کی جائے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالےٰ نے یہاں تک حکم دیا کہ بنی نوع انسان پر اپنے اموال خرچ کرنا کوئی احسان نہیں بلکہ ایک لازمی اور ضروری حق ہے جس کا ادا کرنا ہر ایک پر فرض ہے۔ اور یہ حق صرف انہیں کو ہی نہیں ملنا چاہیئے جو اس حق کو طلب کریں بلکہ دوسری محروم ہستیوں کو بھی یہ حق برابر ملنا چاہیئے۔ ان میں وہ بے زبان جانور بھی آجاتے ہیں جو نطق سے محروم ہونے کی وجہ سے اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (المعارج ۲۵-۲۶) کہ ان کے اموال میں ایک مقررہ حق ہوتا ہے مانگنے والے کے لئے بھی اور محروم کے لئے بھی۔

پھر اللہ تعالےٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ایک مومن حقیقی نیکی تبھی حاصل کر سکتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں اپنی محبوب چیزوں اور اموال کو خرچ کرے۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (آل عمران: ۹۳) کہ تم حقیقی نیکی کبھی بھی حاصل نہیں کرو گے جب تک تم ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو گے جو تمہیں محبوب ہیں۔

ان تمام نیکیوں کے عوض میں مومنوں میں باہمی اخوت اور محبت کی روح سرایت کر جاتی ہے اور اس کے ثواب میں انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے جو کہ ان سب کا حقیقی روحانی باپ ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں سے محبت کرے گا اور کہے گا کہ دنیا میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ مومن کہیں گے کہ اے رب العالمین کہ تو ان باتوں سے پاک ہے۔ تو کب ایسا تھا کہ ہم نے تیرے ساتھ ایسا سلوک کیا اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ دیکھو میرا فلاں غریب بندہ بھوکا تھا جب تم نے اسے کھانا کھلایا تو گویا تم نے مجھے ہی کھانا کھلایا جب میرا فلاں غریب بندہ ننگا تھا تو تم نے اسے کپڑا دیا تو گویا تم نے مجھے ہی کپڑا پہنایا میرا فلاں غریب بندہ پیاسا تھا جب تم نے اسے پانی پلایا تو گویا تم نے میری پیاس بجھائی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلامی معاشرہ دنیا کے سامنے ایک بے نظیر اخوت، محبت، مساوات اور ہمدردی و مواسات کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ اگر کوئی فرد بشر اپنے دل میں بنی نوع انسان کے لئے ایسے ہی جذبات محسوس نہیں کرتا تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ روحانی اعتبار سے وہ ہرگز اسلامی معاشرے کا فرد نہیں ہے بلکہ اس کے اندر ایک بیگانہ وجود ہے۔ انسانی جسم میں قلب تمام اعضاء کا سردار ہے اور اس کا سب سے بڑا ظاہری کام یہ ہے کہ وہ تمام اعضاء کو غذا مہیا کرنے کے لئے خون پہنچاتا ہے۔ یعنی ہر عضو کو اس کی بنیادی ضرورت مہیا کرے۔ اسی طرح معاشرہ کے جسم میں بھی جو شخص بمنزلہ قلب ہوگا اس کا بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ حتی الوسع ہر فرد بشر کی بنیادی انسانی ضروریات فراہم کرے۔ یہ اس صورت میں لازم ہوگا اگر وہ شخص سربراہ حکومت ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی روحانی اور دینی معاشرہ کا سربراہ ہو تو اس معاشرہ کی تمام دینی و روحانی ضرورتوں کے مہیا کرنے کا کام اس کے فرائض میں داخل ہوتا ہے اور یہی انبیاء اور ان کے خلفاء و اظلال کا اصل کام ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تیرہ سو سال کے بعد پھر اس زمانہ میں ایک خالص اسلامی معاشرہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اس معاشرہ کے حقیقی اعضاء بنیں اور باہمی محبت، عاطفت، اور مواسات میں وہی نمونہ پیش کریں جو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پیش کیا تھا۔ درحقیقت دین کے یہی دو بڑے حصے ہیں یعنی التعظیم لأمر اللہ۔ والشفقة علی خلق اللہ۔

حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے ملفوظات میں بار بار اسی امر پر زور دیا ہے اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ آپ دو ہی بڑے مسئلے لے کر آئے ہیں۔ ایک خدا تعالیٰ کی توحید دوسرے یہ کہ باہم محبت کرو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم تمام باہمی رنجشوں، کینوں، بدظنیوں اور نفرتوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں حقیقی اسلامی اخوت و مواسات کا رشتہ استوار کریں۔ آمین ثم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

اتحاد و اتفاق کی اہمیت (بقیہ صفحہ ۴)

اتفاق کی راہ میں حائل ہے اسے دور کیا جائے۔ ان اقتباسات میں ایسی متعدد باتوں کی طرف واضح اشارے ملتے ہیں۔ اب ہمارا یہ کام ہے کہ ان پر عمل کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہماری جماعت کو ہمیشہ اتحاد و اتفاق کی نعمت سے مالا مال کئے رکھے اور اتفاق و اتحاد کی برکات سے ہم سب کو فرداً فرداً بھی اور مجموعی حیثیت سے بھی ہمیشہ نوازتا رہے۔ آمین

حقیقت یہ ہے کہ جب تک جماعت میں اتحاد نہ ہو ہم لوگ خلافت کی برکات سے بھی پوری طرح حصہ نہیں پا سکتے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جب تک جماعت کے خیالات اس بارے میں متفق نہ ہوں جماعت کے لوگ میری مدد نہیں کر سکتے ...... درحقیقت امام کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ ایک جماعت بحیثیت جماعت قربانی کرے افراد کی قربانی تو بغیر امام کے بھی ہو سکتی ہے۔"

(الفضل ۱۹ ستمبر ۱۹۳۶ء)

پس میرے بزرگو اور میرے بھائیو آؤ کہ ہم اتحاد کو مضبوط کرتے ہوئے حقیقی معنوں میں خلافت کی برکات حاصل کرنے والے بنیں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر آمین

ماهنامہ ''انصاراللہ،، دسمبر ۱۹۶۵ء رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۴۸۳

سچا مومن دنیا کو اپنی ہاتھ سے ذبح کر دیتا ہے

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ضائع نہیں کرتا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''یاد رکھو کہ یہ جماعت اس بات کے واسطے نہیں کہ دولت اور دنیاداری ترقی کرے اور زندگی آرام سے گزرے۔ ایسے شخص سے تو خداتعالیٰ بیزار ہے۔ چاہیئے کہ صحابہ رضؓ کی زندگی کو دیکھو۔ وہ زندگی سے پیار نہ کرتے تھے ہر وقت مرنے کے لئے تیار تھے۔ بیعت کے معنے ہیں اپنی جان کو بیچ دینا۔ جب انسان زندگی کو وقف کر چکا تو پھر دنیا کے ذکر کو درمیان میں کیوں لاتا ہے؟ ایسا آدمی تو صرف رسمی بیعت کرتا ہے۔ وہ تو کل بھی گیا اور آج بھی گیا۔ یہاں تو صرف ایسا شخص رہ سکتا ہے جو ایمان کو درست کرنا چاہے۔ انسان کو چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضؓ کی زندگی کا ہر روز مطالعہ کرتا رہے۔ وہ تو ایسے تھے کہ بعض مر چکے تھے اور بعض مرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس کے سوا بات نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ کنارہ پر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں تاکہ ابتلاء دیکھ کر بھاگ جائیں وہ فائدہ نہیں حاصل کرسکتے۔ دنیا کے لوگوں کی عادت ہے کہ ذرا سی تکلیف ہو تو لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتے ہیں اور آرام کے وقت خداتعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ کیا لوگ چاہتے ہیں کہ امتحان میں سے گزرنے کے سوا ہی خدا خوش ہو جائے۔ خداتالی رحیم کریم ہے۔ مگر سچا مومن وہ ہے جو دنیا کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ضائع نہیں کرتا۔ ابتداء میں دنیا مومن کے واسطے جہنم کا نمونہ ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے مصائب پیش آتے ہیں اور ڈراؤنی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں تب وہ صبر کرتے ہیں اور خداتعالیٰ ان کی حفاظت کرتا ہے،،

(بدر ۸ نومبر ۱۹۰۵ء)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا